ماہنامہ

ترجمان القرآن

بجاری کردہ:

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

جلد ۱۱۵ اکتوبر ۱۹۹۱ء عدد ۲

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل : ۵۳۴۰

جلد ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۹۱ء - ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ عدد ۲

فہرست مضامین

رابطہ و ترسیل زر کے لیے : ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۔ رحمٰن مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور

فون نمبر: ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ : ۶ روپے زرِ سالانہ : ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں نئے نظام کی آرزو، جستجو، تلاش اور جدّوجہد اُن افراد، گروہوں، طبقات یا قوموں نے کی ہے جو مروّجہ نظام کے ستم زدہ ہوتے ہیں اور ظلم کی جس چکّی میں وہ پس رہے ہوتے ہیں، اُس سے نجات پانے کے لئے نئی راہوں اور نئی منزلوں کی دریافت کے لئے سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ اِس کی تازہ ترین مثال وہ جدّوجہد ہے جو ابھی چند ہی سال پہلے تیسری دنیا کی اقوام نے "نئے عالمی معاشی نظام" کی آواز اُٹھا کر کی تھی اور جس کے لئے اقوامِ متّحدہ کی جنرل اسمبلی کا خصوصی اجلاس ۱۹۷۴ء میں بلایا گیا اور پھر کئی سال تک اقوامِ متّحدہ اور دنیا کے ہر دُوسرے قومی اور بین الاقوامی فورم پر اِس کی بازگشت سنائی دی لیکن وقت کی حکمران اور قابض قوموں نے جن میں امریکہ سب سے پیش پیش تھا، نہ صرف یہ کہ اس آواز پر کوئی کان نہ دھرے بلکہ اُسے خاموش کرنے کے لئے کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا اور بالآخر یہ آواز صدا بصحرا بن کر رہ گئی۔

اِس پس منظر میں کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ آج خُود امریکہ اور اُس کا صدر جارج بُش "نئے عالمی نظام" (New World Order) کی بات کر رہا ہے اور صرف بات ہی نہیں کر رہا اس کے لئے زبان، قلم، تلوار اور ترغیب و ترہیب کا ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ نظر مجوّزہ نظام کو ایک بڑے سوالیہ نشان کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ برطانوی اخبار "گارڈین" نے نئے نظام کے بارے میں حال ہی میں دنیا کے چوٹی کے سات مفکرین کے تجزیے کو جس عنوان سے پیش کیا ہے وہ یہی سوالیہ نشان ہے۔(۱) اگرچہ مغرب کے اہلِ نظر اِس نظام کو صرف ایک سوالیہ نشان کے ساتھ دیکھ رہے ہیں لیکن تیسری دنیا اور خصوصیت سے عالمِ اسلام اور مشرقِ وسطیٰ کے اہلِ دانش و بینش صرف ایک سوالیہ نشان ہی نہیں دیکھ رہے بلکہ اُن کو افق پر وہ خُونی آندھیاں بھی صاف نظر آ رہی ہیں جو اِس نظام کے جلو پر اُن کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔ چین کے وزیرِ خارجہ کیون کی چن (Qian Qichan) نے ۱۹ اپریل ۱۹۹۱ء کو صاف لفظوں میں کہا کہ "یہ

خیال بھی اپنے اندر خطرات کا ایک طوفان رکھتا ہے کہ اب دنیا میں صرف ایک سُپرپاور ہو گی جو پُوری دنیا پر چھا جائے۔"

اِس سلسلہ میں پاکستان کے صدر جناب غلام اسحاق خان اور ایران کے رہبر جناب آیت اللہ خامنہ ای کا اعلامیہ امتِ مُسلمہ کے دل کی آواز ہے جس میں اُنہوں نے کہا کہ :

"اسلامی ممالک آج کی دنیا اور نیو ورلڈ آرڈر کے چیلنج سے نمٹنے کے لئے متحد ہو جائیں تاکہ نئے عالمی نظام میں اُن کے مفادات کا احترام کیا جا سکے۔ مسلم ممالک باہم تعاون کریں تاکہ نیا عالمی نظام اُن پر مسلّط نہ کیا جا سکے۔ (وقت کی ضرورت ہے کہ) اِسلامی ممالک باہمی تعاون کے ذریعہ ایک منصفانہ عالمی نظام کے قیام کے لئے سرگرمِ عمل ہو جائیں۔"

(جنگ کراچی ۱۵ ستمبر، The News ۲۱ ستمبر ۱۹۹۱ء)

پاکستان اور ایران دنیا کے وہ دو مُسلمان ملک ہیں جنہوں نے اپنا تشخص "اسلامی جمہوریہ" کے دستوری نام کے ذریعہ ظاہر کیا ہے اور اِن دونوں ملکوں کے اِن قائدین کا یہ انتباہ وقت کی پُکار ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ستم ظریفی ہے کہ صدرِ مملکت کے اِس دورہ کے اس اہم ترین اعلان کا قومی یا عالمی سطح پر کوئی نوٹس ہی نہیں لیا گیا حالانکہ پاکستان اور امتِ مُسلمہ کے مستقبل کے نقطۂ نظر سے سب سے اہم سوال ہے ہی یہ کہ اس وقت مغربی اقوام دنیا کا کیسا نقشہ بنانے میں مصروف ہیں اور اِس میں پاکستان، اِسلامی احیاء اور امتِ مُسلمہ کے لئے کیا خطرات پوشیدہ ہیں؟ عالمی سیاست کے ایوانوں میں مستقبل کے لئے کیا سوچ بچار اور منصوبہ بندیاں ہو رہی ہیں، اِن کو نظرانداز کرنا اپنے پاؤں پر خُود کلہاڑی مارنے کے مترادف ہو گا اور اِن کے بارے میں امت کو بروقت متنبّہ کرنا دراصل ان خطرات کے مقابلے کے لئے امت کو تیار کرنے کا ذریعہ بنے گا تاکہ بقول حالی مرحوم :

ع "چھتیں پاٹ لیں تاکہ باراں سے پہلے"

"واشنگٹن پوسٹ" کا نامہ نگار ڈان اوبر ڈو رفر (Dan Orferdorfer) ۲۶ مئی ۱۹۹۱ء کے شمارے میں رقم طراز ہے کہ :

"پچھلے سال ۲۳ اگست کو صدر بش اور اُن کے قومی سلامتی کے مشیر برنٹ اسکوکرافٹ صدر کے چھٹیوں کے مسکن کے قریب بحر اٹلانٹک میں حالاتِ حاضرہ پر غور و فکر اور مچھلی کے شکار کے لئے گئے۔ چار گھنٹے کے بعد وہ واپس آئے اور اس سفر کا حاصل تین مچھلیاں اور خارجہ پالیسی کا ایک نیا تصوّر تھا جو بعد کے دنوں میں صدر بش کی تمام تر گرم گفتاری کا مرکز و محور بن گیا۔ یعنی "نیا عالمی نظام"۔

چند ہی ہفتوں کے اندر نئے عالمی نظام کے نعرہ نے امریکہ کی نئی عالمی پالیسی کے مرکزی

ستوُن کی حیثیت اختیار کر لی۔ امریکی کانگریس کے خطاب سے لے کراقوامِ متحدہ کے خطاب تک صدر بش نے نئے عالمی نظام کا غلغلہ بلند کیا۔ ڈان اوبرڈ ورفر کے بقول اگست ۱۹۹۰ء سے مارچ ۱۹۹۱ء تک صدر بش نے بیالیس (۴۲) بار اپنے بیانوں اور تقریروں میں اِس نئے نظام کی بات کو پُورے زور شور سے پیش کیا اور اِسے اپنی مستقبل کی پالیسی کی اساس قرار دیا۔ اِس سلسلہ میں جو دعوے کئے گئے اور جن حسین الفاظ کا سہارا لیا گیا ان کی چند جھلکیاں صورتِ حال کو سمجھنے میں ممدّ معاون ہوں گی۔

۱۱ ستمبر ۱۹۹۰ء امریکی کانگرس سے خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر نے کہا:

"ہم آج ایک منفرد اور غیر معمولی تاریخی لمحہ کی دلہیز پر کھڑے ہیں۔ خلیج کا بحُران بلا شبہ بہت خطرناک اور گمبھیر بحُران ہے لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ ایک نادر موقع بھی فراہم کر رہا ہے جس کے نتیجہ میں عالمی طاقتوں کے درمیان تاریخی تعاون کا نیا دَور شروع ہو جائے گا۔ اِن آفت زدہ ایّام کے غبار سے ہمارا پانچواں مقصد برآمد ہو سکتا ہے یعنی -- ایک نیا عالمی نظام ایک ایسا نیا دور جو طاقت کے استعمال کے خطرات سے پاک ہو، جو انصاف کے قیام کے لئے قوی اور توانا ہو اور جس میں امن و سلامتی کا حصُول زیادہ ممکن ہو"(۲)

قومی سلامتی کے مشیر برینٹ سکوکرافٹ نے کہا:

"ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم ایک نئے عالمی نظام کی ابتدا کر رہے ہیں۔ اور یہ نیا نظام امریکہ اور روس کی مخاصمت کے دَور کے چکنا چُور ہونے سے جنم لے رہا ہے۔"

"ہم حالیہ (خلیجی) بحُران کو ساری دنیا میں اس تصوّر کو منوانے کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں کہ صدام اور عراقیوں کا رویّہ قابلِ قبول نہیں۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ مستقبل کے لئے بڑا اہم ہے۔ ہم اس بحُران سے ایک نیا نظام بنا لینا چاہتے ہیں"۔ (۳)

صدر بُش نے ۶ مارچ ۱۹۹۱ء خلیج کی جنگ میں کامیابی کے فوراً بعد دعویٰ کیا کہ:

"اب ہم ایک نئی دنیا کو اپنی آنکھوں کے سامنے اُبھرتا دیکھ رہے ہیں"۔

اپنے اس نئے نظام کے خدّو خال پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید کہا:

"نئے عالمی نظام کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم اپنی قومی حاکمیت (National Sovereignty) سے دست کش ہو جائیں یا اپنے قومی مفادات کو بھول جائیں۔ یہ دراصل صوُرت گری کرتا ہے اس ذمّہ داری کی جو اس کامیابی نے ہم پر عائد کی ہے۔ یہ جارحیت (Agression) کو روکنے اور استحکام، خُوش حالی اور امن و آشتی کے حصُول کے لئے دُوسری اقوام سے تعاون کی نئی راہیں نکالنے سے عبارت ہے۔ یہ ماحصل ہے اس اُمید کا جو بڑی اور چھوٹی اقوام کے درمیان ایک مشترک عزم پیدا کر رہی ہے۔اِس کی منزل ایک ایسی دنیا ہے جہاں تنازعات کا حل پُر امن ذرائع سے ہو، جہاں جارحیت

کا مقابلہ سب متحد ہو کر کریں، جس میں اسلحہ کے ذخیروں کو قابو کیا جا سکے اور جس میں تمام انسانوں کے ساتھ انصاف کا سلوک ہو سکے"۔(۴)

ان حسین لفظوں اور دِل پسند دعووں کے ساتھ ساتھ اس نئے عالمی نظام کی سب سے بڑی خصوصیت بھی زبانوں پر آگئی کہ اب امریکہ دنیا کی واحد "سُپر پاور" ہے۔ امریکہ خلیج کی جنگ میں فتح پاکر ویت نام کے ڈراؤنے خواب (Vietnam Syndrome) سے نجات پا چکا ہے اور آنے والے دَور کا نام اب "امریکہ کی صدی" (American Century) ہو گا۔ صدر بش کے یہ الفاظ جو "ٹائم میگزین" کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہُوئے اُنھوں نے کہے تھے بڑے اہم ہیں۔

سوال : آپ نے نئے عالمی نظام کا ذکر کیا ہے۔ کیا دُوسرے الفاظ میں اِس کا یہ مفہوم نہیں کہ امریکہ دنیا کا پولیس مین بن کر رہے گا؟

صدر بش : "صاف بات ہے جب دنیا کو محفوظ جگہ بنانے کی بات ہو تو پھر امریکہ کے شانوں پر ایک غیر مساوی ذمّہ داری (Disproportionate Responsibility) عائد ہوتی ہے۔ مَیں امریکہ کے اس کردار کو عالمی پولیس مین کا کردار نہیں کہوں گا اس لئے کہ ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں جن میں ہم کوئی کردار ادا نہ کریں یا کرنا نہ چاہیں۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کی سلامتی اور آزادی کے باب میں ہماری ذمّہ داری سب سے زیادہ ہے۔"(۵)

اس فکر اور فلسفہ کا ترجمہ اگر سادہ زبان میں کیا جائے تو اِس کا مطلب، اِس کے سوا کچھ نہیں کہ امریکہ عالمی نظام کے ناخُدا کی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کو ایک منصفانہ عالمی نظام کی طرف نہیں بلکہ "امریکہ کے عالمی نظام" کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ جسے بین الاقوامی تعلّقات کی زبان میں Pax Americana کہا جاتا ہے اور اس مجوّزہ نظام کا یہی وہ مفہوم ہے جو کھلے یا دبے، دوست اور مخالف دونوں ہی لینے پر مجبور ہیں۔

یہ بات کہ مجوزہ نئے نظام کا اصل ہدف ایک "امریکی نظام" کا قیام ہے، محض کوئی مفروضہ یا خیالیہ (FILIGHT OF IMAGINATION) نہیں ہے۔ ہَوا کے رُخ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اِس صدی کے اہم واقعات اور رجحانات پر نظر رکھی جائے اور حال اور مستقبل کی نقشہ بندی کو ماضی کے تناظر میں ٹھیک ٹھیک سمجھا جائے۔

برطانیہ کی عالمی بالادستی (Pax Britanica) کا عملی خاتمہ تو دُوسری عالمی جنگ کے ذریعہ ہُوا۔ لیکن اِمکانی تبدیلی کا آغاز ۱۸۹۸ء میں ہی ہو گیا تھا جب امریکہ نے ہسپانوی افواج کو شکست دی۔ اور جنوبی امریکہ کو بلا شرکتِ غیرے امریکہ کے حلقۂ اثر (Area of Influence) میں

مستحکم کر لیا۔ اس طرح امریکہ علاقے کی بالا ترین قوت اور دنیا کی ایک امکانی قوت کی حیثیت سے میدان میں اُترا۔ ادھر جرمنی اور جاپان اپنے اپنے علاقے میں اُبھر رہے تھے۔ اور بالآخر پہلی عالمی جنگ کے ذریعہ جرمنی نے برطانیہ کے عالمی اقتدار کو چیلنج کر دیا۔ اتحادی قوتوں کے تعاون سے برطانیہ اور امریکہ نے پہلی جنگ جیت لی' لیکن انگلستان کا عالمی طاقت کی حیثیت سے زوال شروع ہو گیا جو بالآخر دُوسری عالمی جنگ میں اپنے فطری انجام کو پہنچا۔ جرمنی اور جاپان نے دو عشروں کے قلیل عرصے میں بالادست طاقتوں کو پھر چیلنج کیا اور اس بار برطانیہ' امریکہ' روس اور فرانس نے مل کر ان نئے دعوٰی داروں کو قابو کیا۔ البتہ جنگ کے بعد نقشہ بالکل بدل گیا۔ جرمنی اور جاپان کو مکمل طور پر غیر مسلح کر دیا گیا' جاپان کو اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں ہمیشہ کے لئے دشمن ملک قرار دیا گیا۔ انگلستان ایک بوڑھے پہلوان کی طرح عالمی رول سے ریٹائر ہو گیا اور امریکہ اور روس نئی عالمی قوتوں کی حیثیت سے میدان میں رہ گئے۔ البتہ ۱۹۴۵ء میں جاپان پر ایٹم بم استعمال کر کے امریکہ نے برتری قائم کی' جب کہ روس نے ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۹ء تک مشرقی یورپ کو اپنے حلقۂ اثر میں لا کر اور پھر ۱۹۴۹ء میں جوہری طاقت بن کر عالمی سیاسی شطرنج کی نئی بساط بچھا دی۔ جنگ کے زمانے کے حلیف بہت جلد حریف بن گئے اور دنیا دو عالمی طاقتوں کے درمیان تناؤ' کشمکش' مسابقت اور بالآخر سرد جنگ کے دَور میں داخل ہو گئی۔

عالمی رسہ کشی کی اس نصف صدی میں امریکہ اور روس دونوں ہی دنیا پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔ یہ کشمکش تقریباً" زندگی کے ہر میدان میں ہُوئی۔ نظریہ' سیاست' معیشت' عسکری قوت' سائنس اور ٹیکنالوجی حتیٰ کہ ادب اور ثقافت' ہر میدان میں یہ جنگ لڑی گئی۔ دونوں عالمی طاقتوں نے اپنے اصل وسائل سے بڑھ کر بوجھ اُٹھایا۔ جس کے نتیجہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں ترجیحات خلط ملط ہو گئیں۔ قومی دولت کا بڑا حصہ بلاواسطہ یا بالواسطہ جنگ کا ساز و سامان تیار کرنے کی نذر ہونے لگا۔ ایک طرف جنگ کے آلات نے اتنی ترقی کی کہ دونوں بڑی طاقتوں نے صرف جوہری ہتھیاروں کے اتنے انبار لگا لئے کہ کسی ایک کا اسلحہ ہی تمام دنیا کو پچیس بار تباہ کرنے کے لئے کافی تھا اور دُوسری طرف یہ عالم ہُوا کہ دونوں کی عام آبادیوں کے لئے خوراک' رہائش اور علاج کی سہولتیں کم سے کم ضروری حد سے بھی فروتر ہو گئیں۔ سرد جنگ کے اِس دَور میں علاقائی جنگیں اور علامتی مقابلے (Proxy Wars) تو بہتیرے ہُوئے اور اِن میں لاکھوں افراد لقمۂ اجل بنے(۶) لیکن عملاً" جنگ اتنی تباہ کن چیز بن گئی تھی کہ بالآخر سرد جنگ کا خاتمہ اندرونی اسباب کی بِنا پر روس کے زوال سے ہُوا اور جہادِ

افغانستان وہ آخری ضرب ثابت ہُوا جس کے بعد روس سنبھل نہ سکا۔

سرد جنگ کے دور میں امریکہ کی خارجہ پالیسی کی بنیادیں مندرجہ ذیل رہیں:

۱۔ ایشیا اور یورپ پر روس کی بالادستی کے قیام کو روکنا اور اُسے اُن سرحدوں میں محدُود کر دینا جہاں وہ جنگ کے بعد قابض تھا۔ اس کی بنیاد عالمی سیاست کا وہ مشہور اصُول ہے جسے تحدید کی حکمتِ عملی (Strateqy of Containment) کہا جاتا ہے اور جس کا اصل مصنّف امریکی سیاست کار جارج ایف کینن (George F.Kannen) تھا۔

اس حکمتِ عملی کو بروئے کار لانے کے لئے روس کے گرد سیاسی' معاشی اور فوجی بلاکوں اور معاہدات کا ایک ایسا جال پھیلایا گیا جس کے نتیجہ میں وہ اپنی سرحدوں میں محصُور ہو کر رہ سکے اور اُس کی پیش قدمی رک جائے۔

۲۔ امریکی عالمی سیاست کا دُوسرا اصول مقابلہ کی ایسی قوّت کا حصُول اور جنگ کو اتنا تباہ کن اور مہنگا بنا دینے کی حکمتِ عملی تھی جس کے نتیجہ میں یا جنگ ناممکن ہو جائے یا مخالف کی تباہی یقینی بنائی جا سکے۔ اسے اصولِ مزاحمت (Strategy of Deterrance) کہتے ہیں۔ اِس مقصد کے حصُول کے لئے فوجی قوّت کو بے محابا ترقی دی گئی۔۱۹۷۳ء اور ۱۹۸۷ء کے درمیان فوجی سازو سامان میں ۷۰۰ فیصدی کا اضافہ ہُوا۔ جوہری ہتھیاروں کے انبار لگائے گئے۔ بین البرّ اعظمی میزائل (Intercotinental Ballistic Missiles) تیار کئے گئے' ہوائی اور بحری قوت کو آخری حدوں تک ترقی دی گئی۔ یورپ اور ایشیا میں ایسے فوجی اڈے قائم کئے گئے جن سے بہت کم نوٹس پر اور بڑی سُرعت کے ساتھ مخالف قوتوں پر حملہ کیا جا سکے۔ (Forward Deployment Forces Projection Capability) اور اِس امر کی مسلسل کاوش کی گئی کہ تحقیق اور تجربہ کے ذریعہ اسلحہ کے نظام میں تکنیکی فوقیت اور کمیت اور کیفیّت ہر پہلو سے امریکی اسلحہ کی بالادستی قائم رہے۔ اِس کا مظاہرہ روس کے خلاف تو نہ ہو سکا لیکن خلیج کی جنگ میں عراق کے روسی اسلحہ کے مقابلہ میں امریکی اسلحہ نے اپنی فنّی بالادستی کے کچھ نظارے دنیا کو ضرور دکھا دیے۔

۱۹۴۵ء میں دُوسری جنگِ عظیم کے اختتام پر معاہدہ یالٹا میں بعد جنگ کی دنیا کا نقشہ بنایا گیا تھا جو چند ہی سالوں میں درہم برہم ہو گیا اور ۱۹۴۹ء میں ہی نیٹو کے قیام اور روس کے جوہری طاقت بن جانے سے سرد جنگ کے دَور کو گرما دیا۔ ۱۹۸۹ء بھی ۱۹۴۵ء ہی کی طرح اہم ہے کہ اس سال افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی اور مشرقی یورپ کے روس کے چنگل سے نکلنے سے سرد

جنگ کے دَور کے اختتام کا اعلان ہوا۔ ۱۹۹۰ء میں کویت پر عراق کی جارحیت اور اُس کے جواب میں امریکہ کی قیادت میں روس کے تعاون سے جنوری' فروری ۱۹۹۱ء کی خلیج کی جنگ نے نئے عالمی سیاسی دَور کے خدّوخال نمایاں کئے اور پھر اگست ۱۹۹۱ء میں روس میں اشتراکیت کے چراغ کی آخری بھڑک نے حالات کی نئی کروٹ کو بالکل ہی نمایاں کر دیا۔ ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۱ء تک کا زمانہ ہی وہ فیصلہ کن زمانہ ہے جس میں امریکہ نے اپنے تصوّر کے مطابق نئے عالمی نظام کا نقشہ بنایا ہے اور خلیج کی جنگ سے اس میں رنگ بھرا ہے۔

الفاظ جو بھی استعمال کئے جائیں حقیقت یہ ہے کہ اس نئے نظام کے بنیادی خدّوخال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ امریکہ دنیا کی واحد عالمی قوت ہے۔ دنیا کے تمام ملکوں کو اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا اور امریکہ سے اور خُود آپس میں تعلقات کو اُستوار کرنے میں اس کو بنیاد بنانا ہو گا۔

۲۔ روس میں اشتراکیت کی پسپائی اور روسی ایمپائر کا تتربتر ہونا صرف اشتراکیت کی شکست ہی نہیں بلکہ مغربی لبرلزم' سرمایہ داری' جمہوری طرزِ حکومت اور منڈی کی معیشت کے تصوّر کی فتح ہے۔ اب یہ دعویٰ بھی کیا جا رہا ہے کہ جس طرح امریکہ دنیا کی واحد عالمی طاقت ہے اِسی طرح مغربی لبرلزم اور سرمایہ داری اب دنیا کا غالب سیاسی اور معاشی نظام بھی ہے اِس سلسلہ میں امریکی حکومت کے ایک مشیر فرانسس فاکویاما کے مضامین کو بڑی ہَوا دی جا رہی ہے جِس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اب تاریخ اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے اور مغربی نظام کو فیصلہ کن بالادستی حاصل ہو گئی ہے۔ (۷)

امریکہ کا یہ ہدف ہو گا کہ وہ اس عالمی حیثیت کو قائم رکھے۔

۱۔ سرد جنگ کے دورِ تحدید (Containment) کے مقابلے میں نئے نظام میں اجتماعی سلامتی (Collective Security) کا انتظام کیا جائے گا جِس کی قیادت امریکہ کرے گا البتّہ اس کو عالمی ادارہ اقوامِ متحدہ کی چھتری حاصل ہو گی۔ اجتماعی سلامتی کے اس نظام کے معنی یہ ہوں گے کہ جہاں کہیں سلامتی کے لئے کوئی خطرہ رُونما ہو اُس کا تدارک کیا جائے۔

۲۔ دنیا میں کہیں بھی اور خصوصیّت سے یورپ' ایشیا اور افریقہ میں اب کسی ملک کو یہ موقع نہیں ملنا چاہیے کہ وہ ایک عالمی قوت کی حیثیت سے اُبھر سکے۔ علاقائی توازن کی بھی حفاظت کی جائے گی اور جہاں کہیں علاقائی توازن کو خطرہ ہو یعنی علاقے میں جن قوتوں کو بالادستی حاصل ہے (جیسے مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل) ان کی حیثیت کو تبدیل ہونے سے بچایا جائے گا۔ مشرقِ وسطیٰ

میں اسرائیل کا تحفظ اور پورے علاقے پر اُس کی بالادستی کا قیام اس نئے نظام کا ایک لازمی حصہ ہے۔

۳- امریکہ کے عالمی مفادات کا تحفظ جس میں سرِ فہرست تیل کی رسد' قیمت اور ماخذ پر کنٹرول ہے' خواہ یہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ' اس طرح امریکہ کے دُوسرے مفادات کی دیکھ بھال جن میں عالمی منڈیوں تک امریکی مصنوعات کی رسائی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

۴- اسلحہ کی تیاری' تحقیق اور ترقی کے نظام پر کنٹرول جس کے نتیجہ میں دنیا میں ایسے دوسرے ممالک یا مراکز وجود میں نہ آسکیں جو اسلحہ کے میدان میں امریکہ کی بالادستی کے لئے اب یا مستقبل میں خطرہ بن سکتے ہوں۔ اِس سلسلہ میں جوہری' کیمیاوی اور حیاتیاتی ہتھیاروں کے فروغ کو روکنا فوری اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اس کام کو معاہدات اور عالمی نگرانی کے ذریعہ انجام دیا جا سکے تو فھو المراد لیکن اگر ضرورت پڑے تو قوت کا استعمال کر کے بھی اسلحہ کے اِس پھیلاؤ کو روکنا اس عالمی نظام کے اہداف میں سے ایک ہے۔

۵- روس' جرمنی' جاپان' انگلستان اور فرانس کو بڑی طاقتوں نہ کہ عالمی طاقتوں کی حیثیت سے تسلیم کرنا البتہ اس امر کی کوشش کہ اِس میں سے بھی کوئی مستقبل میں عالمی طاقت نہ بن سکے۔ اِس سلسلہ میں روس کو معاشی طور پر اپنے زیرِ اثر لانے اور جرمنی اور جاپان کی معاشی قوت اور مسابقت کی طاقت کو عالمی شراکت کے کسی نظام کے تابع کر کے حریف عالمی قوت بننے سے روکنا۔

یہ وہ بنیادی اہداف ہیں جو امریکہ کے نئے عالمی نظام کے حدودِ اربعہ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اِس کے نتیجہ کے طور پر عالمی سیاست میں امریکہ کی ترجیحات بدل چکی ہیں:

(۱) اب نہ افغانستان کا مسئلہ اہم ہے اور نہ پاکستان کی کوئی جیو اسٹر-یٹیجک اہمیت ہے۔

(۲) روس اب مخالف نہیں حلیف قوت ہے اور وسط ایشیا میں کسی ایسی قوت کا اُبھرنا جو روس کے لئے خطرہ بن سکتی ہو مغرب کے لئے قابلِ قبول نہیں۔

(۳) اسرائیل کی بالادستی کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ فلسطین کے مسئلہ کو تحلیل کو دیا جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ایک طرف "اسلامی بنیاد پرستوں" کو قابو میں کیا جائے تو دُوسری طرف اسرائیل کو اُس کے سارے ہمسایہ عرب ممالک سے کیمپ ڈیوڈ طرز کے معاہدات میں جوڑ دیا جائے اور سب سے بڑھ کر کویت امریکہ دفاعی معاہدہ کے انداز پر علاقے کے دُوسرے ممالک سے بھی دفاعی معاہدے کئے جائیں تاکہ مشرقِ وسطیٰ میں امریکی افواج کے قیام اور اسلحہ

کے مستقل ذخیروں کا بندوبست کر لیا جائے۔
(۴) پوری دنیا میں احیاءِ اسلام کی تحریکوں کی مخالفت کی جائے اور امریکہ مخالفت کی بنیاد پر ان تحریکوں کو دبانے اور دبوانے کی کوشش کی جائے۔
(۵) ہندوستان کو جنوبی ایشیا میں ایک علاقائی قوت کی حیثیت سے تقویت دی جائے تاکہ پاکستان، ایران اور افغانستان کے اثرات کو محدود کیا جا سکے۔
نئی پالیسی کی یہ تمام شاخیں امریکی عالمی نظام (Pax Americana) کا لازمی حصہ ہیں اور پاکستان اور عالمِ اسلام اِن سے صرفِ نظر کر کے جو حکمتِ عملی بھی بنائے گا وہ خطرات سے پُر ہے۔

ہم نے مندرجہ بالا سطور میں جو تجزیہ کیا ہے یہ بھی محض نظری تجزیہ نہیں بلکہ حقائق اور مغربی اقوام، خصوصیت سے امریکہ کے پالیسی سازوں کی سوچ کے دستاویزی ریکارڈ کا خلاصہ ہے۔ ہم اپنے دعوے کی تائید کے لئے صرف چند اہم حوالے پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان پالیسی سازوں کو حقائق کو جیسے کہ وہ ہیں سمجھنے میں مدد ملے۔

کارٹر کے سابق سیکیورٹی ایڈوائزر پروفیسر ز بگنیو برزیزنسکی (Zbegniew Brzezinski) خلیج کی جنگ اور نئے عالمی نظام کا جائزہ لیتے ہوئے صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ:

"(مشرقِ وسطیٰ کے لئے) امریکہ کی فوجی چھتری ناگزیر ہو گی۔ بالآخر حالات جو بھی ہوں، اس علاقہ میں امریکہ کی فوجی موجودگی مستقل نوعیت کی ہو گی۔ گمان غالب ہے کہ فوجوں کا مستقر کویت ہو گا یا سعودی عرب یا دونوں۔ آخر تو یہ دونوں ملک ہمارے حاشیہ نشین ملک (Client Regime) ہی ہیں۔ یہ بہت دولت مند بھی ہیں اور غیر محفوظ (Vulnerable) بھی۔ فطری طور پر ان کا سارا انحصار امریکہ پر ہے ------"

"حالات کا تقاضا ہے اور امریکہ کے لئے ناگزیر ہو گیا ہے کہ اِس نظام کے قیام کے لئے جو منصفانہ ہو اور امن کا ضامن، زیادہ تیزی کے ساتھ متحرک ہو جائے"۔(۸)

"لندن آبزرور" میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں برزیزنسکی اِنہی باتوں کا اعادہ کرتا ہے اور دُوسری جنگ کے بعد، صدر ٹرومین نے یورپ کی تعمیر اور دنیا میں اپنے سیاسی معاہدوں کے بارے میں، جس تحرک کا مظاہرہ کیا تھا، امریکہ کو آج پھر اس کی دعوت دی ہے۔ اُس کا مشورہ ہے۔

"آج اس پورے علاقے کی قسمت امریکہ کے ہاتھوں میں ہے جسے اِس سے پہلے کبھی اتنا اثر و رسوخ حاصل نہ تھا جو آج حاصل ہے۔ اب امریکہ کی ذمّہ داری ہے کہ علاقہ کے لوگوں کی مشکلات کے حل کے لئے اپنی ذمّہ داریاں ادا کرے ---- جغرافیائی اور سیاسی ہی نہیں خُود اخلاقی اسباب سے بھی ضروری ہے کہ امریکہ جس سرگرمی کا مظاہرہ کرے (وہ ۱۹۴۵ء کے بعد والی سرگرمی سے) کم نہ ہو"۔(۹)

امریکہ کے عالمی رول کے بارے میں ایک اور دانشور Elwt A. Cohen مجلّہ The National Interest میں لکھتا ہے :

"آج یہ امریکہ کے قومی مفاد میں ہے، دُوسرے اور ممالک کے بھی، کہ امریکہ شعوری طور پر طے کرے کہ اسے دنیا کی مضبوط ترین عسکری قوت کی حیثیت سے باقی رہنا ہے، اور ہمیں یقین ہے کہ مستقبل میں اِس بالادستی کو اس سے کم وسائل (Cost) کے صرف سے قائم رکھا جا سکتا ہے جو سرد جنگ کے زمانہ میں کرنا پڑتے تھے۔ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ امریکی عوام کو اس قومی مفاد کے بارے میں مطمئن کرنا آسان نہیں، لیکن یہ امریکی قیادت کی ذمّہ داری ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر ہم اُن کو مطمئن کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر نئی صدی کے آغاز پر دنیا ایسی پُرسکون اور محفوظ جگہ نہ ہو گی جیسی ۱۹۹۰ء کے اس موسمِ خزاں میں ہے"۔(۱۰)

لندن کے ایک اخبار میں "گارڈین" کا مقالہ نگار ڈیوڈ مارکوانڈ (David Marquand) رقمطراز ہے:

"جدید تاریخ کی پہلی حقیقی جنگ (خلیج کی جنگ) جس کا طرۂ امتیاز اعلیٰ ٹیکنالوجی کا استعمال تھا۔امریکی افواج نہ صرف اعلیٰ فوجی کارکردگی میں ممتاز تھیں بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی (امریکہ) پُوری جنگ پر چھایا ہوا تھا۔ کولیشن کے عرب ارکان تو امریکہ کے حاشیہ بردار تھے۔ انگلستان امریکہ کے پُرجوش سپاہی کا کردار ادا کر رہا تھا۔ آغاز میں بغاوت کے سارے نازک لمحات کے باوجود فرانس بھی ہمراہی ثابت ہُوا خواہ جوش و جذبہ میں کم ترقی کیوں نہ ہو۔ باقی یورپ اس کھیل سے تقریباً" باہر رہا۔ روس ایک پالیسی پر ضرور گامزن تھا مگر یہ پالیسی بے حد کمزور اور غیر مؤثر تھی۔ ہمیں اعتراف کر لینا چاہیے کہ سرد جنگ کے دور کا توازنِ قوت پارہ پارہ ہو چکا ہے اور اس کی جگہ کسی نئے توازن نے نہیں لی ہے بحالتِ موجودہ جو کچھ نظر آرہا ہے وہ یہ ہے کہ جس نئے عالمی نظام کی دھوم ہے وہ صرف امریکی نظام Pax American ہی ہوتا نظر آرہا ہے۔"(۱۱)

امریکہ کی وزارتِ دفاع کا ایک سابق افسر اور جارج ٹاؤن یونیورسٹی کا پروفیسر ارل ریوی نال مشہور رسالہ Foreign Policy میں ایک پُر مغز مضمون میں اپنا تجزیہ بہ ایں الفاظ پیش کرتا ہے:

"امریکہ اسٹریٹیجک خُود مختاری کی راہ پر بڑے جارحانہ انداز میں گامزن ہو گیا ہے۔ خلیج فارس میں فوج بندی امریکہ کی اس پُر عزم انفرادیت پسندی اور خُود کاری (Unilateralism) کے آغاز کی علامت اور اس کے اس نئے مقام و مرتبہ کی مظہر ہے جو "دنیا کی واحد عالمی قوت" کے الفاظ میں پوشیدہ ہے۔ شاید اس

کا نام نظریۂ بُش (Bush Doctrine) ہے لیکن اس کی نوعیت اور حقیقی مقاصد ابھی پردۂ اخفا میں ہیں۔ (جو کچھ نظر آرہا ہے اس کی بنیاد پر) کہا جا سکتا ہے کہ اس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ اب امریکہ سرد جنگ کی بچی ہوئی واحد عالمی قوت کی حیثیت سے' اپنی عسکری قوت کو' جسے دفاعی بجٹ سمیت وہ اب کچھ کم کرنے کی پوزیشن میں تھا' برقرار رکھنے پر مجبور ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ اپنے عالمی اثرات کو مستحکم رکھ سکے۔ (گلف کے واقعات شاہد ہیں کہ) روس سے دو طرفہ مسابقت (خصوصیت سے یورپ میں) کے ختم ہو جانے کے باعث اب امریکی حکمتِ عملی دُوسرے علاقوں اور معاملات میں مؤثر مداخلت سے عبارت نظر آتی ہے۔ تاکہ اس مداخلت کے ذریعہ ان تنازعات کو امریکہ کے مفاد کے مطابق طے کرایا جا سکے۔ نیز یہ بھی کہ امریکہ کے مفادات کی تعریف میں بھی خاصی وسعت برتی جائے گی تاکہ تمام دنیا کے کسی بھی علاقے میں استحکام اور نظم کا قیام اس میں شامل ہو سکے"۔(۱۲)

ایک اور امریکی مبصر' جو محض ایک تجزیہ نگار نہیں بلکہ خُود بھی اس پالیسی کا داعی ہے' جان اوسولیوان امریکی مجلہ "نیشنل ریویو" کے ایک مضمون میں امریکی حکمتِ عملی کے مختلف پہلو واضح کرتا ہے جو اس نئے نظام کے رُخ سے اس امریکی صاف گوئی کے ساتھ جو امریکہ کے دائیں بازو کا طُرّہ ہے پردہ اٹھاتے ہیں:

"بلا شبہ امریکہ واحد عالمی طاقت ہو گا جو آزادانہ طور پر اور صرف اپنی مرضی سے فوجی مداخلت کا فیصلہ کرے گا خُواہ اُس کا تعلق ایسی کولیشن ہی سے کیوں نہ ہو جو علاقے میں امن کو خطرات سے نمٹنے کے لئے کی جائے البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ امریکی اقدامات کو اقوامِ متحدہ کی سرپرستی حاصل ہو' خُواہ اس کے لئے عالمی ادارہ کو کچھ ضمنی اثر و نفوذ (Influence at the Margin) کا حق دینا پڑے"۔

"صرف طاقت ہی سے طاقت کی کاٹ ممکن ہے۔ اور جب مداخلت کرنی ہی پڑ جائے تو پھر اس کو بہت تیز رفتار اور سفاکانہ ہونا چاہیے۔ اِس اصول کے مطابق بروقت ایک گھونسا کافی ہوتا ہے جب کہ بعد میں نوکی حاجت ہو گی۔ خلیج میں امریکہ نے اِس پالیسی پر عمل کیا ہے۔ یہ غلبہ اور پھیلاؤ کے امریکی اسلُوب کا پیش خیمہ ہے جِس کی بنیاد امریکہ کی عسکری بالادستی پر ہو گی اور جِس میں اسے سابقہ بڑی طاقتوں مثلاً برطانیہ اور فرانس کی تائید ہو گی اور جس میں جرمنی اور جاپان جیسے ملکوں کا سرمایہ اس کام آئے گا"۔

بڑی صفائی اور بڑی ڈھٹائی سے صاحبِ مضمون لکھتا ہے کہ:

"اِس نظام میں امریکہ کی حیثیت وہی ہو گی جو قرونِ وسطیٰ کے فیوڈل معاشرہ میں بادشاہ کی ہوتی تھی یعنی اصل حاکمِ اعلیٰ (Sole Sovereign) جسے قوت کے استعمال کے لئے مکمل اختیار حاصل ہوتا تھا۔ البتہ جو دُوسروں سے خاصی تعداد میں سپاہی اور سرمایہ حاصل کر سکتا ہو اور اُن کے فراہم کرنے والوں کے خیالات و احساسات کا وہ کچھ پاس بھی کرلیتا ہو۔ رہا معاملہ پارلیمنٹ کا تو وہ اس سے اخلاقی تائید حاصل کرنے کے لئے نیم دلانہ معاملہ کرتا ہو اور جب چاہے اُسے نظر انداز کر سکتا ہو"۔(۱۳)

اس تمثیل میں "بادشاہ" امریکہ ہے "فیوڈل لارڈز" کی حیثیت کولیشن کے دُوسرے اراکین کی ہے جیسے انگلستان، فرانس، جرمنی، جاپان اور شرقِ اوسط کے ممالک اور "پارلیمنٹ" کا کردار اقوامِ متحدہ ادا کرتی نظر آرہی ہے یہ ہے امریکہ کے نئے نظام کا اصل چہرہ۔

بس ایک پہلو کا ذکر اور ہو جائے اور وہ یہ کہ امریکی مفاد کو درپیش آنے والے خطرات کا تعلّق صرف عسکری خطرات اور معاشی مفادات ہی سے نہیں بلکہ اس میں دُوسرے ملکوں کا آزاد رویّہ بھی ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ جس کی حیثیّت ایک طرح کی بغاوت کی ہو گی۔

پھر اِس ذیل میں "مُسلمانوں کی بنیاد پرستی" بھی آتی ہے جو اس نظام کے علمبرداروں کی نگاہ میں مغربی تہذیب و تمدّن کی نعمتوں کو ٹھکرا کر ایک "فرسُودہ نظام" کے احیاء کی "حماقت" کرنے کے مترادف ہے۔ اِس طرح جب بھی کوئی ملک جوہری توانائی کے میدان میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرے گا وہ بس باغی سمجھا جائے گا اور اِس جرم میں گردن زدنی ہو گا۔(۱۴)

امریکہ کے اس نئے نظام میں اسلام اور امتِ مُسلمہ کا کیا مقام ہے اِس کا اندازہ اِس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ سابق صدر رچرڈ نکسن نے گوربا چوف۔ ریگن ملاقات (۱۹۸۵ء) کے موقع پر مشہور امریکی رسالے (Foreign Affairs) میں اپنے مضمُون میں کہا تھا رُوس اور امریکہ دونوں کو "اسلامی بنیاد پرستی" کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے تمام اختلافات کے باوجود باہم تعاون کرنا چاہیے۔ سابق صدر ریگن کی خُود نوشت ابھی شائع ہُوئی ہے **An American Life** کے ۵۷ ویں باب میں لکھتے ہیں:

"اگرچہ اہلِ اِسلام میں آپس کے بے شمار اختلافات ہیں لیکن اسلامی بنیاد پسندی نے اسرائیل دشمنی میں انہیں اس طرح یک جہت کر رکھا ہے کہ اپنے سارے اختلافات بُھول کر نہ صرف عرب بلکہ غیر عرب حتیٰ کہ ایران اور افغانستان کے باشندے بھی اسرائیل کی تباہی پر کمربستہ ہیں۔ اِسلامی بنیاد پسندی، جو آزاد خیال سیکولر حکومتوں کی دشمن ہے، اسلامی نظام کی علمبردار ہے اور اس مقصد کے حصُول کے لئے اللہ کے نام پر کشت و خُون اور دہشت گردی تک سے گریز نہیں کرتی، اس لئے کہ اِسلامی بنیاد پسندی نے اپنے پیروکاروں کو یہ سکھا رکھا ہے کہ وہ مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہوتے ہُوئے اگر مارے گئے تو شہید ہوں گے اور باغِ عدن کے سارے دروازے اُن پر وَا ہوں گے انہیں متعصب بنیاد پسندوں کے ہاتھوں ریاستہائے متحدہ امریکہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنے دو عظیم وفادار اتحادیوں، شہنشاہِ ایران اور انور سادات سے محروم ہُوا۔ اگر اِسلامی بنیاد پسندوں کو عرُوج نصیب ہو گیا تو دنیا صدیوں پرانی رجعت پسندی سے دو چار ہو جائے گی۔ بالخصوص اگر ایٹمی اور کیمیائی اسلحے ان مشتعل مزاج عناصر کے ہاتھ آگئے اور انہیں اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کرنا اُنہوں نے سیکھ لیا۔"

"زندگی بھر میرا بہت ساری حقیقتوں پر ایمان رہا ہے لیکن اگر یہ جرم ہے تو میں فخر کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ یہ میرا ایمان کہ امریکہ پر اسرائیل کی بقا کو یقینی بنانا ایک لازمی امر ہے"۔

اور اسرائیل کے دفاع کے لئے امریکہ کی حکمتِ عملی میں جس نئے عنصر کا اضافہ ہُوا ہے وہ بھی ملحوظ رہے تو بہتر ہے۔ "Foreign Policy" کا ایڈیٹر چارلز ولیم مے نز خلیج کی جنگ پر اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے کہ اِس جنگ کے اصل اسباب چار تھے یعنی امریکہ اور مغربی اقوام کے لئے تیل کے حصول کو محفوظ کرنا' عالمی نظام کا قیام' امریکہ کی سلامتی اور اسرائیل کا تحفظ۔ وہ لکھتا ہے:

"امریکہ اور اسرائیل کے تعلقات اب نئی گہرائیوں سے آشنا ہو رہے ہیں۔ خلیج کے اس بحران میں امریکہ اسرائیل کے مالی سرپرست (Financier) سے بڑھ کر اب اسرائیل کا محافظ (Protector) بن گیا ہے۔ تاریخ میں پہلی بار یہ ہُوا ہے کہ اسرائیل اس امر کا بچشم سر مشاہدہ کر رہا ہے کہ اس کے ایک دوست ملک کی افواج اس کے ایک بہت بڑے دشمن کو قابو میں کرنے اور اس کی عسکری صلاحیت کو ختم کرنے کا کام انجام دے رہی ہیں"۔ (۱۵)

آخر میں ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر سیموئیل پی ہنٹنگٹن کے ایک تحقیقی مقالہ کا کچھ حصہ بھی پیشِ خدمت ہے جو تصویر کو مکمل کرنے میں مدد دے گا:

"رُونما ہونے والی دنیا کے لئے شاید سب سے بہتر عنوان Uni-Multipolar World ہے یعنی جس میں ریاست ہائے متحدہ وہ واحد ملک ہے جسے سُپر پاور کہا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ چھ ملک ایسے ہیں جنہیں بڑی طاقتیں کہنا مناسب ہو گا یعنی روس' جاپان' چین' جرمنی' انگلستان اور فرانس"۔

"اِس دنیا میں امریکہ کے تین بڑے اسٹریٹیجک مفادات ہیں:

(۱) ریاست ہائے متحدہ امریکہ سب سے بڑی عالمی طاقت کی حیثیت سے اپنی حیثیت کو باقی رکھے اور اس کا یہ تقاضا بھی ہے کہ آنے والے عشروں میں جاپان کے معاشی چیلنج کا بھی مقابلہ کیا جائے۔

(۲) یورپ اور ایشیا میں کسی بالاتر سیاسی یا فوجی قوت کو نہ اُبھرنے دیا جائے جو Hegemonice Power کی حامل ہو سکے۔

(۳) تیسری دنیا میں امریکہ کے حقیقی مفادات کا تحفظ اور اس میں اوّلیت خلیج فارس اور وسط امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ کے مفادات کے تحفظ کو حاصل ہو گی"۔ (۱۶)

یہ تو ہے نئے نظام کا وہ خاکہ جسے امریکہ اور اس کے حواری قائم کرنے کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ خلیج کے سانحہ کے سبھی کردار اِس نظام کو حقیقت کا جامہ پہنانے میں اپنا اپنا رول ادا کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اِس نئے نظام کو روس کے زوال' خلیج کے بُحران اور اِسلامی احیاء کے اِمکانی تناظر سے ہٹ کر نہیں سمجھا جا سکتا۔ مندرجہ بالا صفحات میں ہم نے اِس نظام

کے چند بنیادی خدوخال کو اُن کے حقیقی رُوپ میں پیش کیا ہے لیکن ابھی اِس امر کی ضرورت ہے کہ تاریخی معروضیت کے ساتھ اِس امر کا جائزہ بھی لیا جائے کہ اِس نظام کے قائم ہونے کے کیا امکانات ہیں' کیا اِنسانیت کے پاس اِس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ اِس نظام کے آگے سپر ڈال دے۔ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اگر یہ نظام قائم اور مستحکم ہو گیا تو اِنسانیت کے لئے اِس کے کیا مضمرات ہوں گے؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ وقت کے اِس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے امتِ مُسلمہ کی کیا ذمہ داری ہے۔ ہم آئندہ "اشارات" میں اِنہی امور پر گفتگو کریں گے۔

---

(۱) "New World Order" گارڈین اسٹڈیز جلد اوّل' اپریل ۱۹۹۱ء' گارڈین کا منیجر ایڈیٹر ایلن روس بریجر اپنے ابتدائیہ میں لکھتا ہے کہ:

"اِس عنوان کے اختتام پر پُوری A question mark was judiciously placed at the end of the title. دیانت کے ساتھ ایک سوالیہ نشان کا اضافہ کر دیا گیا تھا"۔

(۲) صدر بش کی تقریر امریکی کانگرس کے سامنے ۱۱ ستمبر ۱۹۹۰ء بحوالہ مجلہ Survival انٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ فور اسٹریٹیجک اسٹڈیز لندن' مئی / جون ۱۹۹۱ء' صفحہ ۱۹۵ ۔

(۳) بحوالہ واشنگٹن پوسٹ' ۲۶ مئی ۱۹۹۱ء ۔

(۴) بحوالہ لورنس فریڈ مین کا مضمون The Gulf and the New World Order مجلہ Survival لندن' مئی / جون ۱۹۹۱ء' صفحہ ۶-۱۹۵ ۔

(۵) ٹائم' ۷ جنوری ۱۹۹۰ء ۔

(۶) سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن ان جنگوں کی تعداد ۱۲۰ اور ان میں مرنے والوں کی تعداد ۱۸ ملین یعنی ایک کروڑ اسی لاکھ قرار دیتا ہے۔ War 1999 Victory لندن' صفحہ ۱۲۱ ۔

(۷) فرانسس فو کویامی (Francis Fukuyame) کا مضمون The End of History امریکہ کے مشہور رسالہ The National Interest کی Summer ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں شائع ہُوا۔ اِس کے بعد موصوف کا دُوسرا مضمون ستمبر ۱۹۸۹ء میں ہونو لولو کے سنڈے اسٹار میں "Are we Witnessing the End of History?" کے نام سے شائع ہُوا۔ تیسرا مضمون مشہور امریکی رسالہ Fortune میں جنوری ۱۹۹۰ء میں شائع ہُوا اور اس کا عنوان "Are We at the End of History?" تھا۔ اِن مضامین کا مرکزی خیال یہ ہے کہ موجودہ صدی' جو اب اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے' معاشی اور سیاسی لبرلزم کی ایسی فتح پر منتج ہُوئی ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔

Unabashed victory of economical and political liberelism نیز "ہم اب غالباً" انسانیت کے نظریاتی اِرتقاء کی آخری بلندیوں کا نظارہ کر رہے ہیں اور تاریخ کا یہ خزانہ عبارت ہے مغرب کی لبرل جمہوریت سے جو انسانیت کے لئے حکمرانی کا آخری نظام ہے"۔

"We may be witnessing the end point of mankind's ideological evolution and the emergence of western liberel democracy as the final form of human government."

(۸) Zbegniew Brzezinski کا انٹرویو Global Viewpoint کے Nathan Gardis کے ساتھ' مطبوعہ لاس اینجلز ٹائمز' The News' یکم مارچ ۱۹۹۱ء۔

(۹) The Observer لندن، ۲۱ اپریل ۱۹۹۱ء ۔

(۱۰) Elwt A. Cohen "The Future of fore and American Strategy" The National Interest, Feb 1990 p.15.

(۱۱) David Marquand "New World Order or pax Americana" Guardian reproduced by Dawn Karachi,14 March 1991.

(۱۲) Earl c. Ravenal "The case for AdJustment" Foreign Policy. Winter 1990 -91 P.6.7.

(۱۳) John O'Sulluban. National Review,5 november 1990. Quarter in We, 'The News International, Weekend Magzine August '1991.

۱۴۔ سولیوان بڑی معصومیت سے لکھتا ہے:

"جب بھی کوئی اسلامی ملک یا تیسری دنیا کا ملک جیسے عراق، پاکستان اور برازیل جوہری توانائی کی دوڑ میں شریک ہو جاتا ہے تو فطری طور پر امریکہ کی ناراضگی مول لینے کا باعث ہوتا ہے"

(۱۵) Charles William Maynes 'Dateline Washngton: A Necssary War Foreign Policy No 82 'Spring 1991 P.176

(۱۶) Samuel P. Huntington "American Changing Strategic Interests" Survival London Jan/Feb 1991 p.6 and p.8.

O

حکمتِ مودودیؒ

مشاورت کی اہمیت اور تقاضے

مشاورت اسلامی طرزِ زندگی کا اہم ستون ہے' اور مشورے کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ کے مقرر کئے ہُوئے ضابطے کی صریح خلاف ورزی ہے۔ مشاورت کو اِسلام میں یہ اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ اِس کے وجوہ پر اگر غور کیا جائے تو تین باتیں واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ جس معاملے کا تعلق دو یا زائد آدمیوں کے مفاد سے ہو' اُس میں کسی ایک شخص کا اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالنا اور دُوسرے متعلق اشخاص کو نظر انداز کر دینا زیادتی ہے۔ مشترک معاملات میں کسی کو اپنی من مانی چلانے کا حق نہیں ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک معاملہ جتنے لوگوں کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو اُس میں اُن سب کی رائے لی جائے' اور اگر وہ کسی بہت بڑی تعداد سے متعلق ہو تو اُن کے معتمد علیہ نمائندوں کو شریکِ مشورہ کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انسان مشترک معاملات میں اپنی من مانی چلانے کی کوشش یا تو اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض کے لیے دوسروں کا حق مارنا چاہتا ہے' یا پھر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑی چیز اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اخلاقی حیثیت سے یہ دونوں صفات یکساں قبیح ہیں' اور مومن کے اندر اِن میں سے کسی صفت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاسکتا۔ مومن نہ خود غرض ہوتا ہے کہ دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرکے خُود ناجائزہ فائدہ اٹھانا چاہے' اور نہ متکبّر اور خُود پسند ہوتا ہے کہ اپنے آپ ہی کو عقلِ کل اور علیم و خبیر سمجھے۔

تیسرے یہ کہ جن معاملات کا تعلق دوسروں کے حقوق اور مفاد سے ہو اُن میں فیصلہ کرنا ایک بہت بڑی ذمّہ داری ہے۔ کوئی شخص جو خُدا سے ڈرتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ اس کی کتنی سخت جواب دہی اُسے اپنے رب کے سامنے کرنی پڑے گی' کبھی اس بھاری بوجھ کو تنہا اپنے سر

لینے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس طرح کی جرأتیں صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو خُدا سے بے خوف اور آخرت سے بے فکر ہوتے ہیں۔ خُدا ترس اور آخرت کی باز پُرس کا احساس رکھنے والا آدمی تو لازماً یہ کوشش کرے گا کہ ایک مشترک معاملہ جن جن سے بھی متعلق ہو اُن سب کو، یا اُن کے بھروسے کے نمائندوں کو اُس کا فیصلہ کرنے میں شریکِ مشورہ کرے، تاکہ زیادہ سے زیادہ صحیح اور بے لاگ اور مبنی برانصاف فیصلہ کیا جاسکے، اور اگر نادانستہ کوئی غلطی ہو بھی جائے تو تنہا کسی ایک ہی شخص پر اس کی ذمّہ داری نہ آپڑے۔

یہ تین وجوہ ایسے ہیں جن پر اگر آدمی غور کرے تو اُس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آسکتی ہے کہ اِسلام جس اخلاق کی انسان کو تعلیم دیتا ہے، مشورہ اُس کا لازمی تقاضا ہے اور اس سے انحراف ایک بہت بڑی بداخلاقی ہے جس کی اِسلام کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلامی طرزِ زندگی یہ چاہتا ہے کہ مشاورت کا اصول ہر چھوٹے بڑے اجتماعی معاملے میں برتا جائے۔ گھر کے معاملات ہوں تو ان میں میاں اور بیوی باہم مشورے سے کام کریں اور بچے جب جوان ہوجائیں تو اُنہیں بھی شریکِ مشورہ کیا جائے۔ خاندان کے معاملات ہوں تو اُن میں کنبے کے سب عاقل و بالغ افراد کی رائے لی جائے۔ ایک قبیلے یا برادری یا بستی کے معاملات ہوں اور سب لوگوں کا شریکِ مشورہ ہونا ممکن نہ ہو، تو ان کا فیصلہ کوئی ایسی پنچایت یا مجلس کرے جس میں کسی متفق علیہ طریقے کے مطابق تمام متعلق لوگوں کے معتمد علیہ نمائندے شریک ہوں۔ ایک پُوری قوم کے معاملات ہوں تو اُن کے چلانے کے لئے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرّر کیا جائے، اور وہ قومی معاملات کو ایسے صاحب رائے لوگوں کے مشورے سے چلائے جن کو قوم قابلِ اعتماد سمجھتی ہو، اور وہ اُسی وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم خود اُسے اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے۔ کوئی ایمان دار آدمی زبردستی قوم کا سربراہ بننے اور بنے رہنے کی خواہش یا کوشش نہیں کرسکتا، نہ یہ فریب کاری کرسکتا ہے کہ پہلے بزور قوم کے سر پر مسلّط ہوجائے اور پھر جبر کے تحت لوگوں کی رضامندی طلب کرے، اور نہ اس طرح کی چالیں چل سکتا ہے کہ اس کو مشورہ دینے کے لئے لوگ اپنی آزاد مرضی سے اپنی پسند کے نمائندے نہیں بلکہ وہ نمائندے منتخب کریں جو اُس کی مرضی کے مطابق رائے دینے والے ہوں۔ ایسی ہر خواہش صرف اس نفس میں پیدا ہوتی ہے جو نیت کی خرابی سے ملوّث ہو، اور اس خواہش کے ساتھ **اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** کی ظاہری شکل بنانے اور اس کی حقیقت غائب کردینے کی کوششیں صرف وہی شخص کرسکتا ہے جسے خُدا اور خلق دونوں کو دھوکا دینے میں کوئی باک نہ ہو، حالانکہ نہ خُدا دھوکا کھا سکتا ہے، اور نہ

خلق ہی اتنی اندھی ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص دن کی روشنی میں عَلانیہ ڈاکہ مار رہا ہو اور وہ سچّے دِل سے یہ سمجھتی رہے کہ وہ ڈاکہ نہیں مار رہا ہے بلکہ لوگوں کی خدمت کر رہا ہے۔

اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ کا قاعدہ خُود اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے پانچ باتوں کا تقاضا کرتا ہے:

اوّل یہ کہ اجتماعی معاملات جن لوگوں کے حقوق اور مفاد سے تعلق رکھتے ہیں اُنھیں اظہارِ رائے کی پُوری آزادی حاصل ہو' اور وہ اِس بات سے پُوری طرح باخبر رکھے جائیں کہ اُن کے معاملات فی الواقع کس طرح چلائے جا رہے ہیں' اور اُنھیں اس امر کا بھی پُورا حق حاصل ہو کہ اگر وہ اپنے معاملات کی سربراہی میں کوئی غلطی یا خامی یا کوتاہی دیکھیں تو اس پر ٹوک سکیں' احتجاج کرسکیں' اور اصلاح ہوتی نہ دیکھیں تو سربراہ کاروں کو بدل سکیں۔ لوگوں کا منہ بند کرکے اور ان کے ہاتھ پاؤں کس کر اور اُن کو بے خبر رکھ کر اُن کے اجتماعی معاملات چلانا صریح بددیانتی ہے جسے کوئی شخص بھی **اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ** کے اصول کی پیروی نہیں مان سکتا۔

دوُم یہ کہ اجتماعی معاملات کو چلانے کی ذمّہ داری جس شخص پر بھی ڈالنی ہو اُسے لوگوں کی رضا مندی سے مقرر کیا جائے' اور یہ رضا مندی اُن کی آزادانہ رضا مندی ہو۔ جبر اور تخویف سے حاصل کی ہُوئی' یا تحریص و اطماع سے خریدی ہُوئی' یا دھوکے اور فریب اور مکّاریوں سے کھسوٹی ہُوئی رضا مندی درحقیقت رضا مندی نہیں ہے۔ ایک قوم کا صحیح سربراہ وُہ نہیں ہوتا جو ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرکے اُس کا سربراہ بنے' بلکہ وہ ہوتا ہے جس کو لوگ اپنی خوشی اور پسند سے اپنا سربراہ بنائیں۔

سوم یہ کہ سربراہِ کار کو مشورہ دینے کے لیے بھی وہ لوگ مقرر کئے جائیں جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہو' اور ظاہر بات ہے کہ ایسے لوگ کبھی صحیح معنوں میں حقیقی اعتماد کے حامل قرار نہیں دیے جاسکتے جو دباؤ ڈال کر' یا مال سے خرید کر' یا جھوٹ اور مکر سے کام لے کر' یا لوگوں کو گمراہ کرکے نمائندگی کا مقام حاصل کریں۔

چہارم یہ کہ مشورہ دینے والے اپنے علم اور ایمان و ضمیر کے مطابق رائے دیں' اور اس طرح کے اظہارِ رائے کی اُنھیں پُوری آزادی حاصل ہو۔ یہ بات جہاں نہ ہو' جہاں مشورہ دینے والے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر' یا کسی جتھہ بندی میں کسے ہُوئے ہونے کی وجہ سے خُود اپنے علم اور ضمیر کے خلاف رائے دیں' وہاں درحقیقت خیانت اور غدّاری ہوگی نہ کہ **اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ** کی پیروی۔

پنجم یہ کہ جو مشورہ اہلِ شُوریٰ کے اِجماع (اتفاقِ رائے) سے دیا جائے، یا جسے اُن کے جمہور (اکثریت) کی تائید حاصل ہو، اُسے تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک شخص یا ایک ٹولہ سب کی سُننے کے بعد اپنی من مانی کرنے کا مختار ہو تو مشاورت بالکل بے معنی ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما رہا ہے کہ "اُن کے معاملات میں اُن سے مشورہ لیا جاتا ہے" بلکہ یہ فرما رہا ہے کہ "اُن کے معاملات آپس کے مشورے سے چلتے ہیں"۔ اِس ارشاد کی تعمیل محض مشورہ لینے سے نہیں ہوجاتی، بلکہ اِس کے لیے ضروری ہے کہ مشاورت میں اِجماع یا اکثریت کے ساتھ جو بات طے ہو اُسی کے مطابق معاملات چلیں۔

اِسلام کے اصولِ شُوریٰ کی اِس توضیح کے ساتھ یہ بنیادی بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہ شُوریٰ مُسلمانوں کے معاملات کو چلانے میں مطلق العنان اور مختارِ کُل نہیں ہے بلکہ لازماً اس دین کے حدُود سے محدُود ہے جو اللہ تعالیٰ نے خُود اپنی تشریع سے مقرّر فرمایا ہے، اور اِس اصل الاصول کی پابند ہے کہ "تمھارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے" اور "تمھارے درمیان جو نزاع بھی ہو اس میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو"۔ اس قاعدہ کُلیّہ کے لحاظ سے مسلمان شرعی معاملات میں اِس امر پر تو مشورہ کرسکتے ہیں کہ کسی نص کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور اُس پر عمل درآمد کس طریقہ سے کیا جائے تاکہ اُس کا منشا ٹھیک طور سے پُورا ہو، لیکن اس غرض سے کوئی مشورہ نہیں کرسکتے کہ جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے کردیا ہو اس میں وہ خود کوئی آزادانہ فیصلہ کریں۔

تفہیمؒ القرآن جلد چہارم، سورۃ الشُورٰی، حاشیہ ۶۱

○

مقالۂ خصوصی

نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء[1] ------- ایک جائزہ

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد

(۱)

ابتدائیہ - چند بنیادی سوالات

نفاذِ شریعت بِل قومی اسمبلی اور سینٹ میں منظور ہونے' اور صدرِ مملکت کی توثیق کے بعد اب "نفاذِ شریعت ایکٹ" بن چکا ہے' اور اِس طرح پاکستان میں پہلی بار اِسلامی شریعت کو کم سے کم اس کی کتابِ قانون میں ملک کا بالا تر قانون تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ملک میں نفاذِ شریعت کی جدّوجہد ایک طویل عرصے سے جاری ہے۔ اِس لئے بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شریعت ایکٹ وہی چیز ہے جو اس جدّوجہد کا کم سے کم مطلوب تھا یا ہو سکتا تھا؟ کیا اس ایکٹ سے وہ اجتماعی اور تاریخی عمل شروع ہو سکتا ہے' یا ہو جائے گا' جو پاکستان کو اس کے اصل نصبُ العین' اور ایک مُسلمان کی آرزوؤں اور تمنّاؤں کے مُنتٰہی' یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہدایت کے مطابق معاشرہ کی تشکیل' اللہ تعالیٰ کے قانون کی فرمانروائی' اُس کے دین کے قیام' اُس کے کلمہ کی سربلندی' یا اِسلامی نظام کے قیام کی طرف کم سے کم وقت میں رواں دواں کر سکے؟

یہ سوال اُن سب لوگوں کے لئے انتہائی اہم ہے جو قیامِ پاکستان کے وقت سے ہی نفاذِ شریعت کے لئے کوشاں ہیں' اور جِن کی کاوشیں مسلسل اس ہدف پر مرکوز رہی ہیں۔ اِس ایکٹ سے کیا حاصل ہُوا' کیا حاصل نہیں ہو سکا؟ کیا پایا' کیا کھویا؟ قدم آگے بڑھے ہیں' یا اور پیچھے چلے گئے ہیں؟ اُمید کی شمع روشن ہُوئی ہے' یا آرزوؤں کا دیا بُجھ گیا ہے؟ جدّوجہد کسی نقطۂ اختتام پر پہنچ گئی ہے' یا اسے اسی طرح جاری رہنا ہے جس طرح پہلے تھی؟ ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں کیا ہُوا وعدہ پورا کر دیا گیا ہے' یا کم سے کم اس کی طرف ایک قدم آگے بڑھا دیا گیا ہے' یا قوم کو صرف چند خوبصورت الفاظ اور وعدہ پر ٹرخا دیا گیا ہے؟ اُن کی بات تو جانے دیجئے جو سرے سے شریعت کا نفاذ ہی نہیں چاہتے' یا اِس کے مخالف ہیں' وہ لوگ جو دل سے شریعت کے نفاذ

[1] ملاحظہ فرمائیں: ضمیمہ نمبر۴

کے آرزو مند ہیں ' اُن کے ذہنوں میں بھی شریعت ایکٹ کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں ' اور اِس قسم کے سوالات مسلسل گردش کر رہے ہیں - مختلف دینی حلقوں کی طرف سے اِس ضمن میں مختلف ' بلکہ بعض دفعہ متضاد آوازیں اُٹھ رہی ہیں - اِس لئے ضروری ہے کہ شریعت ایکٹ کا بے لاگ جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے اِس سے کیا حاصل ہُوا اور کیا نہیں ہوسکا ؟ اِس میں کیا خوبیاں ہیں ' اور کیا خامیاں۔

(۲)

شریعت کی بالا تری اور نفاذِ شریعت ایکٹ ۹۱ء

(ا) شریعت کی بالا دستی کا تصوّرِ مطلوب

مُسلمان صرف اسی وقت صحیح ——— معنوں میں حقیقی مُسلمان ہو سکتا ہے جب وہ اپنی پُوری زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزارنے کے لئے تیار ہو ' اور اِس راہ میں مسلسل کوشاں رہے - اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے ؟ شریعت اِسی سوال کا جواب ہے - اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی سنّت میں جو ہدایات و احکام دیئے گئے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کی مرضی کا مظہر ہیں - اور شریعت انہی احکام پر مشتمل ہے ' یا ان سے مستنبط احکام پر ——— اسی لئے شریعت اور شریعت کا نفاذ ہر مُسلمان کے دل کی آرزو اور اس کا نصبُ العین رہی ہے ' اور ہے -

اِس لحاظ سے شریعت کا دائرہ پُوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ شریعت میں ——— اِنسان کی نیّت اور ارادہ بھی شامل ہے ' اس کی عبادت ——— اور مراسِم عبادات بھی - گویا اس کا ظاہر بھی ' اور اس کا باطن بھی - اس کے اخلاق بھی ——— اور اس کے آداب بھی - اس کی پرائیویٹ لائف بھی ' اور اس کی پبلک لائف بھی - اس کا سیاسی ڈھانچہ بھی اور اس کی خاندانی زندگی بھی - اِس کی معیشت بھی اور معاشرت بھی - اس کا آرٹ بھی اور اس کا فنِ تعمیر بھی - اس طرح شریعت کا ایک بڑا حصّہ وہ ہے جو دستوُر و قانون ' ریاستی قواعد و ضوابط ' حکومتی ریاستی امُور اور پبلک پالیسی کے تحت نہیں آتا ' لیکن ایک بڑا حصّہ وہ بھی ہے جو اسی دائرہ کے تحت آتا ہے - دستوُر اور قانون کے ذریعہ جب بھی شریعت نافذ کرنے کا کام ہو گا تو وہ انسانی زندگی کے اسی بہت بڑے حصّے ہی سے تعرّض کرے گا۔

دستوُر و قانون کے ذریعہ پبلک لائف کے دائرہ میں نفاذِ شریعت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ' بلکہ بالکل ناگزیر ' امر یہ ہے کہ شریعت ہر لحاظ سے ملک کا بالا تر قانون ہو - قانون کے

دائرہ میں ہر قانون کے مقابلے میں، تمام ریاستی و حکومتی اُمور و احکام اور قواعد و ضوابط کے مقابلے میں، ہر رسم و رواج کے مقابلے میں، حتیٰ کہ خود دستور کی ہر دفعہ کے مقابلہ میں۔ قرآن و سنّت کو اور شریعت کو بالا دستی حاصل ہو۔

(ب) نفاذِ شریعت ایکٹ ایک اہم پیش رفت

شریعت ایکٹ کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ پاکستان کی ۴۳ سالہ تاریخ میں یہ وہ پہلی قانونی دستاویز ہے جس میں شریعت کو ملک کا بالا ترین قانون قرار دیا گیا ہے۔ اِس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ یہ ایک بہت اہم پیش رفت ہے۔ اور اس ایکٹ کے ذریعہ سے، اگر حکومتی ذمہ دار اور عدالتیں چاہیں اور اس قانون کا نفاذ خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ کریں، تو نفاذِ شریعت کے لئے بے شمار دروازے کھولے جا سکتے ہیں، اور اِس راہ پر بہت آگے جایا جا سکتا ہے۔

(ج) نفاذِ شریعت ایکٹ اور قرآن و سنّت کی بالادستی

لیکن کیا محض شریعت ایکٹ میں قرآن و سنّت کو بالا ترین قانون قرار دیا جانا، اور اس انداز میں قرار دیا جانا جس انداز میں قرار دیا گیا ہے، ریاست اور قانون کے دائرہ میں ان کی بالاتری قائم کرنے کے لئے کافی ہے؟ جو شخص بھی قانون اور دستور کے فرق سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ ملک کا بالا ترین قانون دستور ہوتا ہے، اور پارلیمنٹ کا منظور کردہ کوئی قانون دستور سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ دستور میں اگر قرآن و سنّت کے خلاف کسی قانون یا ضابطہ کو تحفظ دیا گیا ہے، تو شریعت ایکٹ کے باوجود اس قانون یا ضابطہ کو تحفظ حاصل رہے گا اور وہ قرآن و سنّت سے بالا تر ہی رہے گا۔ اگر دستور کاروبارِ مملکت کے کسی حصہ کو قرآن و سنّت کی بالا تری کے دائرہ سے باہر رکھتا ہے، تو شریعت ایکٹ کے باوجود وہ حصہ قرآن و سنّت کی بالاتری کے دائرہ سے باہر ہی رہے گا۔ اِسی طرح اگر خود دستور کی کوئی دفعہ قرآن و سنّت کے خلاف ہے، تو شریعت ایکٹ کے باوجود وہ دفعہ نافذُ العمل رہے گی۔ اِسی طرح شریعت ایکٹ کے تحت قائم کردہ قرآن و سنّت کی بالاتری کسی طرح بھی دستور کے کسی حصہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

پاکستان کے دستور میں ایسے حصے موجود ہیں جو یا تو خود قرآن و سنّت کے خلاف ہیں، یا اِن معنوں میں قرآن و سنّت کے خلاف ہیں کہ وہ بعض قوانین، بعض حکومتی اختیارات اور ماضی کے بعض اقدامات کو شریعت کے دائرہ سے باہر رکھتے ہیں۔ گویا دوسرے الفاظ میں، ان کو قرآن و سنّت سے بالاتر رکھتے ہیں۔ نہ صرف قرآن وسنّت سے بالاتر رکھتے ہیں، بلکہ اس پالیمنٹ اور ان بنیادی حقوق سے بھی بالاتر رکھتے ہیں، جن کی دہائی ہر اُس مرحلہ پر دی جاتی ہے جب نفاذِ شریعت

کا نام لیا جاتا ہے' اور کہا جاتا ہے کہ شریعت کے نفاذ سے پالیمنٹ کی بالادستی ختم ہو جائے گی' اس کا حقِ قانون سازی عدالتوں کو منتقل ہو جائے گا۔ اور بنیادی حقوق خطرے میں پڑ جائیں گے۔ حالانکہ دستور کے یہ حصے اور تحفظات تو پہلے ہی بنیادی حقوق کو پامال کر رہے ہیں' اور پارلیمنٹ کی بالادستی اور حقِ قانون سازی پر قدغن اور پابندی لگاتے ہیں۔

دستور کی دفعات میں سے قرآن و سنت کے خلاف دفعات کی ایک واضح مثال وہ دفعات ہیں' جو صدرِ ریاست' وزیرِ اعظم' وزراء' حکومتی افسران اور اُن کے اقدامات کو عدالتی محاسبہ سے بالا تر قرار دیتی ہیں' اِسلام کے نظامِ انصاف کا یہ اصُول بالکل بنیادی ہے کہ تمام شہری' قانون کے سامنے برابر ہیں۔ حاکم و محکوم کے درمیان تفریق دورِ غلامی کی میراث ہے' جس کو ہر دستور ساز اپنے مفاد میں تحفظ دیتا ہے۔

جن قوانین و اقدامات کو دستور میں قرآن و سنت کے دائرہ سے باہر رکھا گیا ہے' گویا ان کو قرآن و سنت سے بالا تر رکھا گیا ہے' ان کی واضح مثالیں مُسلم فیملی لاز آرڈی نینس' عدالتی طریقِ کار کے قوانین اور مارشل لاء حکومتوں کے بے جا اقدامات وغیرہ ہیں۔ مُسلم فیملی لاز آرڈی نینس' ایوب خان صاحب کے دَور میں مارشل لاء کے بِل پر نافذ کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد ہر آنے والے حکمران نے' جو مارشل لاء کے بِل پر ہی آیا' اس کو عدالتی چارہ جوئی کے خلاف تحفظ عطا کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کا غیر اِسلامی دَور اوراُن کا ۱۹۷۳ء کا دستور ہو' یا جنرل ضیاء مرحوم کا اِسلامائزیشن کا دور اور ان کا ۱۹۸۵ء کا دستور' فیملی لاء آرڈی نینس کو ہر ایک نے قرآن و سنت سے بالا تر قانون ہی رکھا۔ نہ صرف قرآن و سنت سے' بلکہ بنیادی حقوق اور پارلیمنٹ سے بھی بالاتر۔ اِسی طرح جس نے بھی مارشل لاء لگایا' اور جائز و ناجائز اقدامات کیے' خواہ وہ ایوب خان ہوں' بھٹو صاحب ہوں یا جنرل ضیاالحق ہر ایک نے اپنے اقدامات کو ایسا جواز و تحفظ فراہم کیا کہ نہ قرآن و سنت ان کو غیر مؤثر کریں' نہ بنیادی حقوق' نہ دستور کی کوئی اور دفعہ' نہ کوئی عدالتی کارروائی۔

دستور و قانون کے فرق کو' دستور کی بالاتر حیثیت کو اور ہمارے دستور کے ان خلافِ قرآن و سنت پہلوؤں کو ذہن میں رکھا جائے تو شریعت ایکٹ کے خلاف یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا کہ اس کے ذریعے موجودہ سیاسی ڈھانچے' عدالتی نظام یا فیملی لاز آرڈی نینس کو شریعت کی بالا تری کے دائرہ سے باہر کر دیا گیا ہے۔ ان کو تو ۱۹۶۲ء سے آج تک ہر دستور نے مکمل تحفظ دیا ہے اور جس چیز کو دستور نے شریعت کے دائرہ سے باہر رکھا ہو' پارلیمنٹ کے کسی قانون کے

بس میں یہ نہ تھا کہ اس کو شریعت کے دائرہ میں داخل کر دیتا۔ اگر جنرل ضیاء الحق نے بھی فیملی لاز آرڈی نینس، عدالتی نظام، اور دس سال کے لئے مالی امور کو دستور کے تحت قرآن و سنّت کی بالاتری کے دائرہ سے باہر رکھا ہو، یا رکھنے پر مجبور رہے ہوں۔ اور ان کے نافذ کردہ شریعت آرڈی نینس نے بھی ان کو اس دائرہ میں داخل نہ کیا ہو، یا نہ کر سکا ہو، تو آج کی یہ پارلیمنٹ صرف شریعت ایکٹ کے ذریعہ یہ کارنامہ کس طرح سرانجام دے سکتی تھی۔

یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ ہر قانون کے مقابلے میں، ہر حکومتی ضابطے اور قاعدے کے مقابلے میں، ہر پالیسی کے مقابلے میں، ہر حکومتی اقدام کے مقابلے میں، حتیٰ کہ خود دستور کی ہر دفعہ کے مقابلے میں، قانوناً قرآن و سنّت کی بالاتری اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی، جب تک اس امر کو اُسی طرح، دستوری ترمیم کے ذریعے خود دستور میں رقم نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ شریعت ایکٹ خود اپنی جگہ شریعت کی بالاتری قائم کرنے کے لئے ناکافی ہے۔

جس نے بھی اور جب بھی، دستوری و قانونی ذرائع سے شریعت نافذ کرنے کا مطالبہ کیا یا اس کے لئے کوشش کی، وہ کبھی بھی اس بنیادی حقیقت سے غافل نہ تھا۔ حتیٰ کہ چار نکاتی مطالبۂ اسلامی نظام ہو یا اِسلامی دستور کی جدّوجہد، آٹھویں اور نویں ترمیمی بل ہوں یا سینٹ میں شریعت کا بِل، یہ ادراک ہمیشہ رہا کہ شریعت کے نفاذ کے لئے قرآن و سنّت کو ملک کا بالاترین قانون ہونا چاہیے۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب خود ملک کا دستور اس بالاتری کو تسلیم کرے اور غیر مشروط طور پر کرے۔ جس طرح ایک فرد صحیح معنوں میں اُسی وقت مُسلمان ہو سکتا ہے۔ جب وہ کلمہ کو زبان سے ادا کرے اور قلب سے اس کی تصدیق کرے، اِسی طرح ریاست صحیح معنوں میں اُسی وقت تابعِ شریعت ہو سکتی ہے، جب وہ کلمہ کے اُن مُقتضیات کو دستور میں درج کر دے، اور صدقِ دل سے ان کو تسلیم کر کے ان پر عمل کے لئے کوشاں ہو جائے۔

حتیٰ کہ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کو پیش کرنے اور منظور کرانے والے بھی یہ بات خوب اچھی طرح جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دستوری ترمیم کے بغیر نفاذِ شریعت کا کام مکمّل اور مستحکم نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر، وہ یہ ادراک بھی رکھتے تھے کہ نفاذِ شریعت ایک ہمہ گیر عمل کا نام ہے جو محض ایک قانون منظور کر دینے، یا دستور میں ترمیم کر دینے سے بھی، عبارت نہیں۔ بلاشبہ یہ قانون اور یہ ترمیم وسیع تر عمل کا ایک اہم حصّہ ہے لیکن اس کے پورے نتائج صرف اُس وقت سامنے آسکتے ہیں جب ایک ایسا پورا پیکج نافذ کیا جائے جو ایک طرف کاروبارِ مملکت کے تمام اہم حصّوں پر مُحیط ہو، دُوسری طرف معاشرہ کی پُوری زندگی پر اثر انداز ہو۔

چنانچہ وزیرِ اعظم پاکستان جناب نواز شریف نے جب ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ (۱۰ راپریل ۱۹۹۱ء) کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں قوم کے سامنے نفاذِ شریعت کے عہد کا اعادہ کیا' تو انھوں نے نہ صرف وعدہ کیا کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ' اگلے ہی دن' ترمیمِ دستور بِل بھی پیش کیا جائے گا جو قرآن و سنّت کو ملک کا بالا ترین قانون قرار دے گا۔ اگر یہ ترمیمِ دستور بِل پیش ہو جاتا اور اُسے اُسی انہماک' لگن اور یکسوئی سے پاس کرایا جاتا جس طرح بارھواں دستوری ترمیم کا بِل پاس کرایا گیا' تو قانونی طور پر نفاذِ شریعت کا کام مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جاتا۔ لیکن اِدھر جناب وزیرِ اعظم قوم سے یہ وعدہ کر کے عمرہ پر تشریف لے گئے' اُدھر دستوری ترمیم کا بِل اِس طرح غائب ہو گیا جس طرح گدھے کے سر سے سینگ۔ نہ وہ ترمیمی بِل پیش ہُوا' نہ اس کے پیش نہ ہونے کی کوئی وجہ بیان کی گئی' نہ قوم سے اس وعدہ خلافی کی کوئی معذرت کی گئی' نہ بعد میں شریعت ایکٹ کی منظوری کے پُورے دور میں کبھی اس کا ذکر کیا گیا' حتیٰ کہ جب بارھویں ترمیمی بِل کے لئے زور و شور سے مُہم چلائی گئی اور قوم سے خطاب کیا گیا' اُس وقت بھی دستور کی یہ ترمیم یاد نہ آئی۔ گویا جہاں تک دستور میں قرآن و سنّت کی بالاتری تسلیم کرنے کا وعدہ اور اعلان کا تعلق تھا' سب کو سانپ سُونگھ گیا۔

(د) شریعت کی بالاتری کی واحد صُورت

بلا شبہ شریعت ایکٹ جیسا کہ منظور ہُوا ہے' اس میں کئی مُثبت اور خُوش آئند پہلو ہیں اور اس میں کئی نمایاں خامیاں بھی ہیں۔ حقیقتاً یہ ایکٹ بھی' اگر صدق دلی سے یہ کام سرانجام دیا جاتا تو اس سے کہیں زیادہ بہتر صورت میں آسکتا تھا' لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس ایکٹ کو کتنا ہی بہتر بنالیا جاتا' دستُور میں ہر چیز کے مقابلے میں' اور کسی بھی چیز کے علی الرّغم قرآن و سنّت کی بالاتری تسلیم کیے جانے کے بغیر ہر نقش خام ہوتا اور ہر کوشش ناتمام۔

آج شریعت ایکٹ کی جو خامیاں ہدفِ تنقید ہیں' اُن کا علاج شریعت ایکٹ میں نہیں تھا 'بلکہ دستُوری ترمیمی بِل میں ہے۔ اور وسیع تر پیکج (Package) کے نفاذ میں ہے جو جناب وزیرِ اعظم کے پاس موجود اور تیار ہے اور جس کے نفاذ کا وہ اعلان کر چکے ہیں۔

ہم بجا طور پر یہ اُمید رکھتے ہیں کہ جناب وزیرِ اعظم اور اُن کی حکومت' ضروری دستُوری ترمیمی بِل' معاون قوانین اور دُوسری انتظامی اصلاحات کے نفاذ کے بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گی۔ یہ اُن کا عہد اور وعدہ ہے' جو انُھوں نے نہ صرف انتخابات کے دوران بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے ببانگِ دُہل کیا ہے' بار بار کیا ہے' اس کی بنیاد پر ووٹ مانگے ہیں اور کامیاب

ہوئے ہیں، بلکہ رمضانُ المبارک کے مقدّس مہینے میں، اللہ کے گھر میں حاضری کے لئے جاتے وقت، ملک کی نمائندہ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں بھی کیا ہے، وہ اس وعدہ کی عدمِ تکمیل کی صُورت میں اپنے خُدا، اپنی قوم اور اپنے ضمیر، تینوں کے سامنے مُجرم ٹھہریں گے۔

(۳)

شریعت کی بالادستی کے لئے کی جانے والی جدّوجہد پر ایک نظر

تمنائیں اور دُعائیں اپنی جگہ، لیکن کیا ماضی کے حقیقت پسندانہ جائزہ سے یہ اُمید بندھ سکتی ہے کہ دستوری ترمیم کا وعدہ پورا ہو گا اور نفاذِ شریعت کا کام واقعتاً کسی راستہ پر لگ جائے گا؟

سیّد ابوالاعلیٰ مودُودی رحمتہ اللہ علیہ نے جب چار نکاتی مطالبہ نظامِ اِسلامی [۱] پیش کیا، تو اس کا اہم ترین نکتہ یہی تھا کہ قرآن و سنّت کو بالاتر حیثیت حاصل ہو۔ قرآن و سنّت کی بالاتری کے معنی تو موجودہ جاہلی نظام پر ایک ضربِ کاری ہے۔ چنانچہ خوشنما الفاظ میں قرار دادِ مقاصد [۲] پاس ہو گئی، اس سے بھی زیادہ خوشنما الفاظ میں اسمبلی میں اس کا قصیدہ پڑھا گیا لیکن اس قرار دادِ مقاصد سے قرآن و سنّت کی بالاتر حیثیت کے متعلق نکتہ غائب تھا۔ اور قرار دادِ مقاصد جس شکل میں پاس ہُوئی۔ اس شکل میں بھی اس کو اتنا خطرناک سمجھا گیا کہ اس کو دستُور کا واجبُ التنفیذ حصّہ بنانے کے بجائے دیباچہ بنا کر آویزاں کر دیا گیا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ قرار دادِ مقاصد ایک بے معنی چیز تھی۔ نہیں، تمام خامیوں کے باوجُود یہ ایک اہم سنگِ میل تھی۔ اس نے ہمیشہ کے لئے ریاست کا رُخ متعیّن کر دیا، اور پاکستان کو اِسلام کے کھونٹے سے باندھ دیا گیا۔

اِسلامی دستُور کے لئے جدّوجہد ایک طویل عرصہ تک جاری رہی، لیکن جو کچھ حاصل ہُوا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ اِسلام کی وہ ساری تعلیمات جو واجبُ التنفیذ ہونا چاہیے تھیں، وہ رہنما اُصُولوں کے طور پر دستُور کے شروع میں سجا دی گئیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات دستُور میں تسلیم کر لی گئی کہ کوئی قانون بھی قرآن و سنّت کے خلاف نہ بنایا جائے گا، لیکن اس کے نفاذ کے لئے بھی کوئی طریقِ کار دستُور میں شامل نہ کیا گیا۔ موجودہ قوانین کو اِسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اِسلامی نظریاتی کونسل جیسا غیر مؤثر ادارہ تجویز کیا گیا۔ اس کی رپورٹیں پارلیمنٹ کے آگے رکھنے تک کو لازم نہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ اگر کبھی اس کونسل نے سنجیدگی سے اپنا کام کیا تو اس کی ساری سفارشات "دریا بُرد" نہ بھی کی جا سکیں تو "فائلنگ کے لئے الماری بُرد" ضرور کی جاتی رہیں۔

۱۔ ملاحظہ فرمائیں: ضمیمہ ۱ - ۲۔ ملاحظہ فرمائیں: ضمیمہ نمبر ۲

اس کے بعد ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء آیا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم سب سے بڑھ کر اسلامائزیشن کے مدّعی اور دُعاگو تھے۔ اور اِس کا اعتراف ضروری ہے کہ جو کچھ کام اُنھوں نے کیا' اتنا کام بھی اُن کے کسی پیش رَو سے نہ بن پڑا تھا۔ قرار دادِ مقاصد کو دستور کے مستقل احکام کا حصّہ بنایا۔ فیڈرل شریعت کورٹ قائم کی' جس نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ' اگرچہ اس کے ججوں کی حیثیت صدرِ مملکت کے ملازمین کی رہی۔ نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کیا' حدُود آرڈی نینس نافذ کیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایک طرف تو اِسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات سے اُن کی الماریاں بھرتی رہیں' دوُسری طرف دستوُر میں ترمیم کے لئے کھُلے اختیارات رکھنے کے باوجود' اور ہر ایسی دستوُری ترمیم کرنے اور کرانے کے باوجود' جس سے ان کی پوزیشن بحیثیت صدر مستحکم اور غالب ہوتی تھی' اُنھوں نے دستوُر میں وہ دو سطری ترمیم نہ کی جس سے قرآن و سنّت کی پوزیشن بحیثیتِ قانون کے غالب اور مستحکم ہو جاتی۔

اس تاریخی پس منظر میں کیا ہمیں یہ اُمید رکھنا چاہیے کہ جناب وزیرِ اعظم قوم سے اپنا وعدہ پُورا کریں گے ——— ' اور دستوُری ترمیمی بِل کے ذریعے قرآن و سنّت کو ملک کا بالا تر قانون قرار دے دیا جائے گا ؟ ہم اِس سوال کا جواب اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں' بس اتنا ضرور کہیں گے کہ شریعت ایکٹ میں ہزار خامیاں سہی' اس کو اُن خامیوں کے لئے موردِ الزام قرار دینا انصاف سے بعید ہو گا جن خامیوں کا ازالہ اس ایکٹ کے دائرہ کار میں نہیں آتا' بلکہ دستوُری ترمیم کے دائرہ کار میں آتا ہے۔

(۴)

نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کے چند مثبت پہلو

(۱) اِسلامی نظامِ ریاست کے حق میں تجدیدِ عہد

شریعت ایکٹ صرف اِس بنا پر ہی اہم نہیں ہے کہ اِس کے ذریعہ ایک بار پھر قوم اور اُس کی پارلیمنٹ نے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت' قرآن و سنّت کی بالادستی اور اِسلام کے اجتماعی نظام کو عملاً قائم کرنے کے عہد کا اعادہ کیا ہے' بلکہ اس کے ذریعہ اس نظریاتی بحث کو بھی ایک بار پھر اِسلامی نظامِ ریاست کے حق میں طے کر دیا گیا ہے' جسے کچھ حلقوں نے گزشتہ دس بارہ سال میں بڑی ہَوا دی تھی' اور جِس کے سہارے پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کے لئے عالم گیر مہم چلائی گئی۔ اس مہم کے دوران بڑی ہی دیدہ دلیری کے ساتھ اِسلام اور اس کے قانون کو مارشل لاء اور فوجی آمریّت سے خلط ملط کیا گیا۔ اِسلام کے بارے میں گمراہ کن پراپیگنڈہ

(Disinformation) کی یہ مُہم مُلک میں بھی چلائی گئی اور بیرونِ ملک بھی' اور اِس سلسلہ میں جھوٹ اور غلط بیانی کے جھکّڑ تک چلائے گئے۔ مثلاً یہ کہ "شریعت آئے گی تو پارلیمنٹ بے حیثیت ہو کر رہ جائے گی"۔ "بنیادی حقوق پر کاری ضرب لگے گی"۔ "عورتوں کے حقوق چِھن جائیں گے"۔ "غیر مُسلم تو دُوسرے درجے کے شہری ہو کر رہ جائیں گے"۔ ـــــ سب سے بڑھ کر یہ کہ "جمہوری نظام دفن ہو جائے گا" ـــــ "شریعت کی آواز مارشل لاء کی پیداوار ہے' آمریّت کا تحفہ ہے۔ عوام قطعاً اِس کے ساتھ نہیں"۔

نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء ملک کی پارلیمنٹ نے کُھلی بحث کے بعد عظیم اکثریت سے منظور کیا ہے' اور اِس طرح جمہوری عمل کے ذریعہ شریعت کا نفاذ جیسا کچھ' اور جتنا کچھ ہُوا ہے' پارلیمنٹ نے شریعت ایکٹ پاس کر کے اُس وعدہ کو پُورا کرنے کی طرف ایک قدم بڑھایا ہے' جو اِسلامی جمہوری اتحاد نے قومی انتخابات کے موقع پر عوام سے کیا تھا' اور جِس پر عمل کرنے کا واضح منڈیٹ عوام نے اکتوبر ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں اُن کو دیا تھا۔ اصولاً جمہوری عمل کے ذریعہ شریعت کے نفاذ کی جانب پیش رفت' کتنی ہی خام کیوں نہ ہو' ایک خوش آئند عمل ہے۔ اور اِس بات کی نفی کرتی ہے کہ شریعت اور جمہوریت یا ملکی معاملات میں عامّۃ المسلمین کی بالادستی کے درمیان کوئی تناقض ہے۔

(ب) مقننہ اور عدالت کے ذریعے نفاذِ شریعت کے امکانات

سماجی تبدیلی کے لئے دو مؤثّر قانونی طریقے آج دنیا میں معروف ہیں یعنی (ا) پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون سازی' اور (ب) عدالتوں کے ذریعہ قانون کی تنفیذ۔ شریعت ایکٹ کے بعد ان دونوں طریقوں کا بیک وقت نفاذِ شریعت کے لئے متحرک ہونے کا راستہ کُھل گیا ہے۔

شریعت ایکٹ میں قرآن و سنّت کی قانونی بالادستی قائم کر دی گئی ہے' اگرچہ یہ بالادستی دراصل دستوری تحدیدات کی پابند ہے جن کا ازالہ دستوری ترمیم کے بغیر ممکن نہیں' لیکن ان تحدیدات کے دائرہ میں اب احکامِ شریعت کے قیام کے لئے تدوینِ قانون (Codification Of Law) کا انتظار ضروری نہیں رہا۔ بلکہ شریعت کے ان احکام کی روشنی میں بھی' جو قانونی طور پر ملک میں پارلیمنٹ کے ذریعہ نافذ نہیں ہُوئے ہیں' عدالتیں قانونی معاملات پر غور کر سکیں گی اور تصادم و تضاد کی صُورت میں ملکی قانون کے اُس حصّہ کو ختم کر سکیں گی۔ جو شریعت کے خلاف ہے۔

شریعت ایکٹ کی ضرورت ہی اس بنا پر پڑی کہ پارلیمنٹ اور صوبائی حکومتیں گزشتہ ۴۳ سال میں ملک کے قانون کا شریعت کی روشنی میں جائزہ نہیں لے سکیں اور اسلامی قانون کو مدوّن کرنے کی طرف کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہیں کر سکیں۔ اب اِس قانون کے نتیجہ میں ایک طرف پارلیمنٹ کے لئے اسلامی قانون کی تدوین کا کام ضروری ہو جائے گا اور اس طرح پارلیمنٹ جِس تعطّل کا شکار رہی ہے، اُس کے ٹوٹنے کا امکان ہے۔ اور دُوسری طرف اس قانون کا یہ بھی حاصل ہے کہ عدالتیں شریعت کے قانون کو، خواہ وہ غیرمدّون ہی کیوں نہ ہو، زیرِ غور لا سکیں گی، اور اپنے فیصلے کرنے میں ملک کے دستور اور قانون کے ساتھ ساتھ قرآن و سنّت کے احکام پر بھی غور کرنے کی پابند ہوں گی، اگرچہ ملک کے دستور پر اور اُن معاملات پر جن کو خود دستور نے باہر کر دیا ہے، قرآن و سنّت کی روشنی میں غور و احتساب تو اب بھی ان کے دائرہ سے باہر ہو گا تاہم باقی معاملات میں عدالتیں شریعت کے احکام کو پیشِ نظر رکھنے کی پابند ہوں گی۔ بلاشبہ جن معاملات میں ملکی قانون اور شریعت میں تصادم ہو گا ان میں قانون کے جائزوناجائز ہونے پر دستور کے مطابق غور ہو گا۔ البتہ جن معاملات میں عدالت ماضی میں عرف، رسم و رواج یا قانونِ فطرت کے مطابق فیصلہ کرتی تھی، اب اُن میں وہ سب سے پہلے شریعت سے رجوع کرے گی اور شریعت کے مطابق ہی فیصلہ کرے گی۔ اِسی طرح تعبیرِ قانون میں بھی قانون کی اُس تعبیر کو ترجیح دے گی جو شریعت کے مطابق ہو۔

شریعت ایکٹ کی وجہ سے شریعت کے نفاذ کے یہ دونوں راستے متحرک ہو سکتے ہیں، اور پارلیمنٹ اور عدالت، دونوں کے لئے شریعت کے احکام سے رجوع ضروری ہو جائے گا، نیز نفاذِ شریعت کے سلسلے میں گزشتہ دس گیارہ سالوں میں فیڈرل شریعت کورٹ اور دُوسری اعلیٰ عدالتوں نے جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے وہ اب اور زیادہ مؤثر ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

(ج) شریعت کی جامع اور متفق علیہ تعریف

شریعت ایکٹ کا ایک اور پہلو جو خصوصی غور و فکر کا متقاضی ہے، شریعت کی تعریف کے متعلق ہے۔ ہم فخر محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں عالمِ اسلام میں پاکستان کا کردار بڑا ہی نمایاں اور منفرد ہے۔ مُسلم ممالک کے دساتیر کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن ممالک نے اِسلام کو قانون سازی میں کوئی حصہ دیا ہے اُنہوں نے بھی اس کام کو مخصوص فقہی تحدیدات کا پابند کر دیا ہے۔

سعودی عرب کی حیثیت منفرد ہے کہ تحریری دستور نہ ہوتے ہُوئے بھی ایک سرکاری فرمان

کے ذریعہ قرآنِ پاک کو ملک کا دستور قرار دیا گیا ہے۔ گو عملاً قانونی اور عدالتی فیصلے حنبلی مسلک کی روشنی میں ہوتے ہیں لیکن بطورِ ماخذ صرف قرآن و سنّت کا ذکر کیا گیا ہے۔ افغانستان میں انقلاب سے قبل فقہ حنفی کو ملک کا رائجُ الوقت قانون تسلیم کیا گیا تھا۔ ایران میں صرف جعفری فقہ کو قانون کا درجہ حاصل ہے اور صرف جعفری فقہ کے ماہرین اِس مجلس کے رکن بن سکتے ہیں جو دینی معاملات میں پارلیمنٹ کی رہنمائی کرتی ہے۔ مصر، یمن، اور متعدّد دُوسرے ممالک میں بھی کسی ایک فقہ کو شرفِ قبولیت بخشا گیا ہے۔

پاکستان کے دستوُر میں شروع ہی سے صرف قرآن و سنّت کو قانون کا ماخذ مانا گیا۔ احوالِ شخصیّہ کے لئے ہر فقہی مسلک کو اپنے مسلک کے مطابق شخصی قانون پر عمل کی اجازت ہے لیکن ملک کے پبلک لاء کو کسی ایک فقہ کا پابند نہیں کیا گیا۔ شریعت بِل میں، جیسا کہ وہ سینٹ میں پیش ہُوا تھا، گو کسی فقہ کا ذکر نہ تھا مگر شریعت کی تعبیر و تشریح کے باب میں ایسی اصطلاحات استعمال ہُوئی تھیں جن پر ایک خاص فقہ کے عُلماء نے اعتراض کیا۔ یہ ایک تابناک حقیقت ہے کہ اس ملک کے عُلماء، خصوصاً حنفی عُلماء اور خُود شریعت بِل کے محرّکین نے بڑی وسیع القلبی کا ثبوت دیتے ہُوئے جس آخری شکل میں شریعت کی تعریف کو قبول کیا وہ پُوری امّت کی وحدت اور نئے دَور کے تقاضوں کو پُورا کرنے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ایکٹ کی دفعہ ۲ میں کہا گیا ہے کہ :

"شریعت سے اِسلام کے احکام مراد ہیں جس طرح کہ وہ قرآنِ پاک اور سنّت میں منضبط کیے گئے ہیں"۔

تشریح : شریعت کی تفسیر اور تعبیر کرتے ہوئے قرآنِ پاک اور سنّت کی تفسیر و تعبیر کے مُسلّمہ اصُولوں کی پابندی کی جائے گی اور اس کے ان مُسلّمہ فقہاء کی تشریحات اور آراء کا لحاظ رکھا جائے گا جن کا تعلّق مروّجہ اِسلامی فقہ کے مکاتبِ فکر سے ہو"۔

اس تعریف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ متفق علیہ ہے۔ اِس پر ملک کے تمام مکاتبِ فکر و فقہ کا اتفاق ہے۔ تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ کے نمائندوں کے اصرار پر اس میں "مروّجہ اِسلامی فقہ کے مکاتبِ فکر" کا اضافہ کیا گیا ہے اور اس طرح الحمد للہ تمام سنّی مکاتبِ فکر اور اہلِ تشیع دونوں نے اِس تعریف پر اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ ملّی وحدت کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ اِس اتفاقِ رائے کو پیدا کرنے میں آٹھ دینی جماعتوں کے فورم نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔

اس تعریف کے نمایاں پہلو یہ ہیں :

(۱) قرآن و سنّت کو اصل مرجع تسلیم کیا گیا ہے۔
(۲) تمام فقہی مکاتبِ فکر کے مستند فقہاء کی آراء سے استفادہ کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے۔
(۳) تعبیر و تفسیر میں تعبیر و تشریح کے مُسلّمہ اصُول و ضوابط کی پابندی کی شرط مانی گئی ہے جس سے آزاد روی کے اُس دروازے کو بند کر دیا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ تجدّد کے علمبردار مغرب پرست طبقے اسلام کا حلیہ بگاڑنے کا کام کرتے رہے ہیں۔ اور قادیانیت، نیچریت، پرویزیت جیسے نت نئے فتنے اُبھرتے رہے ہیں۔
(۴) شریعت کے اصولوں کے مطابق نئے حالات کا مقابلہ کرنے اور نئے مسائل حل کرنے کے لئے اجتہاد اور اجماع کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے۔

یہ وہ متوازن فارمولا ہے جس پر عمل کر کے آج کے حالات میں مُسلمان ایک طرف قرآن و سنّت سے وفاداری کے تقاضے پورے کر سکتے ہیں، تو دُوسری طرف نئے حالات کا مقابلہ کر کے ایک نئی دنیا تعمیر کر سکتے ہیں۔

(د) پُورے معاشرے کی اصلاح اور تشکیلِ نَو

شریعت ایکٹ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا دائرہ اِسلامی قانون کی عدلیہ کے ذریعہ تنفیذ تک محدُود نہیں، بلکہ پُورے معاشرہ کی اِسلامی تشکیلِ نَو کو اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جس تصوّر کو اس میں اجاگر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حصُولِ انصاف ہی شریعت کا مقصد ہے اور منصفانہ معاشرہ کا قیام در اصل وہ میزان ہے جس پر ایک معاشرہ کے اِسلامی یا غیر اِسلامی ہونے کا تعیّن کیا جا سکتا ہے۔ اِسلام فرد کی آزادی اور حقوق کے تحفّظ کے ساتھ ساتھ ایک منصفانہ اور عادلانہ معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جِس کے لئے تعلیم، ابلاغِ عامّہ، معیشت، انتظامیہ، پولیس اور عدلیہ سب کی اصلاح ضروری ہے۔ اس طرح نفاذِ شریعت ایکٹ ایک روایتی قانون سے زیادہ وسیع ہے۔ اِسی لیے اِس پر ایک مینی فیسٹو ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ اِس طرح یہ نفاذِ شریعت کا جامع نقشہ پیش کرتا ہے اور حکومت کے تمام ہی اہم شعبوں کی اِسلامی بنیادوں پر تنظیمِ نَو کا ہدف قوم کے سامنے رکھتا ہے۔ اِس کی حیثیت اُن قوانین کی سی نہیں جو کسی ایک جُرم اور اُس کی سزا سے متعلّق ہوں، بلکہ ان قوانین کی سی ہے جو معاشرتی پالیسی کی بنیادیں رکھتے ہیں اور اِس طرح قانون کی زبان میں اصلاحِ احوال کا ایک وسیع نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اِس کی مثال برطانوی پارلیمنٹ کے اُن قوانین جیسی ہے جو تعلیم کی اصلاح اور تشکیلِ جدید کے لئے ۱۹۴۶ء اور پھر ۱۹۸۸ء میں منظور کیے گئے تھے۔ آخر الذّکر قانون تقریباً ۲۵۰ صفحات پر پھیلا ہُوا ہے اور نظامِ تعلیم

اور تعلیمی پالیسی کا مکمل نقشہ پیش کرتا ہے شریعت ایکٹ بھی اِسی نوعیت کے اِصلاحی قوانین کی قبیل سے ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں کی اصلاح کا پروگرام پیش کرتا ہے جس پر عمل کرنے کے لئے متعدد نئے قوانین منظور کرنے ہوں گے اور بے شمار ----- انتظامی اصلاحات ----- درکار ہوں گی۔

(۵)

نفاذِ شریعت ایکٹ ۹۱ء اور سینٹ کے پاس کردہ بِل ۹۰ء[ا] کا موازنہ

نکاتِ اتفاق ----- ایکٹ کی خوبیاں

ضروری ہے کہ شریعت ایکٹ کا موازنہ اُس شریعت بِل سے کیا جائے جو سینٹ نے ۱۹۹۰ء میں منظور کیا تھا۔ اِس موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ (۸) امُور ایسے ہیں جن میں اصل اور جوہر کے اعتبار سے ان دونوں میں یکسانی اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ جب کہ پانچ (۵) پہلو ایسے ہیں جِن کے اعتبار سے ان میں نمایاں فرق اور اختلاف ہے۔ اس تجزیہ میں ان دونوں پہلوؤں کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے۔

نفاذِ شریعت ایکٹ نہ اس آرڈی نینس کا چربہ ہے جو مئی ۱۹۸۸ء میں نافذ کیا گیا تھا' اور نہ اس شریعت بِل کا مثنیٰ ہے جو سینٹ نے منظور کیا تھا -- یہ کئی پہلوؤں سے اپنی جگہ ایک نیا قانون ہے۔ اِس کی خوبیاں اور کمزوریاں دونوں خود اپنی ہیں۔ البتہ چونکہ ان تینوں کا مقصد اور ہدف ایک ہی تھا' اِس لئے اس ایکٹ کے روشن اور تاریک پہلوؤں کو سمجھنے میں اس موازنہ سے مدد ملے گی' ہم اس موازنہ میں الفاظ اور تفصیل کے مقابلہ میں مسائل کی حقیقت اور جوہر کو ملحوظ رکھیں گے۔

یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ جب سینٹ نے شریعت بِل متفقہ طور پر منظور کیا تھا اُس وقت اکثریتی پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔ اِسلامی جمہُوری اتحاد نے زور شور سے مطالبہ کیا تھا کہ اِس بِل کو من و عن قومی اسمبلی بھی پاس کر دے۔ خود وزیرِ اعظم اس مطالبے میں پیش پیش تھے۔ یہ امر آج تک ایک سوالیہ نشان بنا ہُوا ہے کہ جِس بِل کو سینٹ نے متفقہ طور پر پاس کیا' جہاں اِسلامی جمہُوری اتحاد کی اکثریت تھی۔ جِس بِل کے لئے اِسلامی جمہوری اتحاد نے پیپلز پارٹی سے زور شور سے مطالبہ کیا کہ وہ اِس بل کو نافذ کر دے' جِس بِل کو نافذ کرنے کے لئے انتخابات میں عوام

ا۔ ملاحظہ فرمائیں: ضمیمہ نمبر ۳

سے مینڈیٹ لیا گیا ' اُسی بِل کو اتحاد نے اقتدار سنبھالتے ہی کیوں پس پُشت ڈال دیا ؟

ہماری نگاہ میں جن چیزوں میں بڑی حد تک شریعت ایکٹ اور سینٹ کے شریعت بِل میں یکسانی اور مطابقت پائی جاتی ہے وہ یہ ہیں :

۱۔ شریعت کی تعریف اور تشریح

جزوی فرق کے ساتھ ایکٹ میں وہی تعریف دی گئی ہے جو سینٹ والے شریعت بِل میں پیش کی گئی تھی ' اِس فرق کے ساتھ کہ سینٹ والے بِل میں یہ بات اِجمالی طور پر آئی تھی کہ تمام فُقہاء کی آراء سے اِستفادہ کیا جائے گا۔ جب کہ نفاذِ شریعت ایکٹ میں اِس بات کو بالکل کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ تمام مرّوجہ مکاتبِ فکر کے مُسلّمہ فُقہاء کی آراء سے اِستفادہ کیا جائے گا ۔ اس طرح یہ تعریف تحریکِ نفاذِ فقۂ جعفریہ کے رہنماؤں کے لئے بھی قابلِ قبول بن گئی۔

۲ ۔ قوانین میں تطبیق کے اصُول

سینٹ والے شریعت بِل میں قوانین میں تطبیق کے جو اصُول پیش کئے گئے تھے ۔ نفاذِ شریعت ایکٹ میں اُن کو بھی بالکل اُسی طرح قبول کر لیا گیا ہے

۳ ۔ قرآن و سنّت کی بالادستی

سینٹ کے منظور کردہ بِل میں کہا گیا تھا کہ شریعت' پاکستان کا بالا تَر قانون ہو گی اور ہر قانون' رسم و رواج اور ضابطہ کے علی الرّغم نافذ ہو گی ۔ شریعت ایکٹ میں اِس اصُول کو تسلیم تو کر لیا گیا ہے اور شریعت کو بالا تر قانون بھی قرار دیا گیا ہے۔ البتّہ سینٹ بِل میں جو بات شریعت بِل کی تعریف میں علیحدہ دفعہ میں واضح طور پر کہی گئی تھی' اُسے شریعت ایکٹ میں مختصراً" شامل کر لیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ "شریعت" یعنی احکامِ اِسلام ' جس طرح کہ قرآنِ پاک اور سنّت نبوی' میں مُنضبط کئے گئے ہیں ' پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہوں گے ۔"قانون اور رسم و رواج کے علی الرّغم" والا حصّہ حذف کر دیا گیا ہے ۔ اگرچہ بالا تر قانون کی اصطلاح اِس مقصد کو حاصل تو کر لیتی ہے کہ شریعت دُوسرے قوانین اور رسم و رواج پر بالا دستی رکھے گی 'مگر جِس ماحول میں اور جِس قسم کے افراد کے ذریعہ نفاذِ شریعت کا کام ہونا ہے ' اُس کے پیشِ نظر یہ حذف بنفسِہ بھی خوش آئند نہیں 'کیوں کہ اس کا غلط استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔

۴ ۔ شریعت ' اس کے ماخذ اور شرعی عُلوم کی تعلیم

سینٹ والے بِل میں انہیں خصوصی اہمیت دی گئی تھی ۔ اگرچہ شریعت ' عُلومِ اِسلامی اور عربی زبان کی تعلیم کی اہمیت کو نفاذِ شریعت میں بھی تسلیم کیا گیا ہے 'مگر یہاں بھی غیر ضروری لفظی تغیرات کے کئے گئے ہیں (مثلاً دفعہ ٦ الف ' ب ' ج)

اِس اصُول کو تسلیم تو کیا گیا کہ ملک کے عدالتی نظام میں اُن افراد سے استفادہ کا دروازہ کھولا جائے گا' جو دینی علم میں مہارت رکھتے ہیں اور جن کو افتاء کا مناسب تجربہ ہے' مگر سینٹ والے بِل میں اِس پہلو کو بڑی تفصیل سے پیش کیا گیا تھا۔ شریعت ایکٹ میں تمام تفاصیل کو نکال دیا گیا ہے اور ان کو قواعد و ضوابط مرتب کرتے وقت تک کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ مملکت اِس امر کا مناسب انتظام کرے گی کہ عدالتی نظام میں شریعت' اِسلامی اصُولِ قانون اور افتاء میں باقاعدہ سند یافتہ اشخاص کی خدمات سے استفادہ ہو سکے (مثلاً دفعہ - ۶ "د")۔ تفاصیل کا حذف اور ان کو قواعد و ضوابط کے لئے چھوڑ دینا جو پارلیمنٹ پاس نہ کرے گی' گویا چور دروازے کھولنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

۶ - نظامِ تعلیم کی اِصلاح کی ضرورت اور اس کے لئے کمیشن کا قیام

یہ دفعہ تقریباً انہی الفاظ میں ہے جو سینٹ والے بِل میں تھی۔

۷ - نظامِ معیشت کی اِسلامی تشکیلِ نَو

یہ دفعہ بھی تقریباً انہی الفاظ میں ہے جو سینٹ والے بِل میں تھی۔ ربا کے خاتمہ کی ضرورت کو زیادہ مؤثر اور واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور کمیشن کو یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ اپنی سفارشات اور دُوسری اِسلامی اصلاحات پر عمل درآمد کا مسلسل جائزہ لے اور پارلیمنٹ کو اپنی رپورٹ پیش کرتا رہے۔ البتہ اِس کام کے لئے کسی مدّت کا تعیّن نہیں کیا گیا۔

۸- ذرائع ابلاغ کی اِصلاح

اِس موضوع پر بھی جوہری اعتبار سے سینٹ کے بِل میں اور اس ایکٹ میں کوئی فرق نہیں البتہ تعلیمی کمیشن کے دائرہ کار میں پہلے اِبلاغِ عامہ کی نگرانی بھی بصراحت موجود تھی جو شریعت ایکٹ میں نہیں ہے۔

یہ وہ آٹھ پہلو ہیں جن میں دونوں مسوّدوں میں بڑی حد تک یکسانی اور مطابقت پائی جاتی ہے' اگرچہ الفاظ اور اِجمال و تفصیل کا اختلاف بھی بعض صُورتوں میں کم اہم نہیں ہوتا۔

(۶)

نفاذِ شریعت ایکٹ ۹۱ء اور سینٹ کے پاس کردہ بِل ۹۰ء کا موازنہ

نکاتِ اختلاف ـــــــ ایکٹ کی خامیاں

شریعت ایکٹ جن پہلوؤں سے سینٹ کے منظور کردہ بِل سے مختلف ہے ان میں سے کچھ کا

تعلق تو اندازِ بیان سے اور کچھ دُوسروں کا تفصیل کی جگہ اِجمال سے ہے۔ گو ہم اِجمال پر تفصیل کو ترجیح دیتے ہیں لیکن جن اُمور کو اِجمالی اور اصولی طور تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ہم ان کو باعثِ نزاع نہیں بنانا چاہتے۔ البتّہ اپنے اس احساس کو ضرور ریکارڈ پر لے آنا چاہتے ہیں کہ بعض تفصیلات کے شامل ایکٹ ہو جانے سے اس ایکٹ کے نفاذ میں مدد ملتی۔ مزید براں یہ امر بھی تشویش اور اضطراب کا باعث ہے کہ ایک بات کو اصولی طور پر تسلیم کرنے کے بعد بھی اس کے متعدد مُقتضیات کو یا تو کُھلے دِل سے تسلیم نہیں کیا جاتا یا پھر انہیں قواعد و ضوابط کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے جن کے بنانے میں حکومت کی انتظامیہ کو پُورے اختیارات حاصل ہیں اور جِن کو پارلیمنٹ میں زیرِ غور نہیں لایا جاتا۔ پھر بھی ہم اِن جزوی اور رسمی اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہُوئے اُن بنیادی اُمور کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جِن میں نفاذِ شریعت ایکٹ سینٹ کے منظور کردہ بِل سے مختلف ہے اور ہماری نگاہ میں ان تمام پہلوؤں سے کمزور اور ناقص بھی ہے اور اصلاح طلب بھی۔

۱- واضح عدالتی طریقِ کار کا عدمِ تعیّن

۱- شریعت ایکٹ کا ایک بنیادی ہدف یہ ہے کہ وہ نفاذِ شریعت کے لئے عدالتوں کو متحرک کردے۔ اس سلسلہ میں سینٹ کے بِل میں ایک واضح عدالتی طریقِ کار تجویز کیا گیا تھا جس میں اس بات کی رعایت رکھی گئی تھی کہ ماتحت عدالتوں پر مناسب تیاری سے پہلے' ایسی ذمّہ داری نہ ڈالی جائے جس کے ادا کرنے میں اُن کو دشواری پیش آئے۔ اِسی طرح اعلیٰ عدالتوں کے بارے میں بھی دستور میں جو تحدیدات ہیں اُن کو ملحوظ رکھ کر وفاقی شرعی عدالت اور عدالتِ عالیہ کے دائرہ ہائے اختیار (Jurisdiction) کا تعیّن کر دیا گیا تھا (دفعہ - ۴)۔ یہ تمام چیزیں شریعت ایکٹ سے خارج کر دی گئی ہیں۔ ماہرینِ قانون ہم سے اتّفاق کریں گے کہ شریعت کی بالا دستی کی (دفعہ -۳) کی شق ۲ کے صاف معنی یہ ہیں کہ' ان اُمور کو چھوڑ کر جن کا ذکر استثناء میں ہے'باقی معاملات میں عدالتیں شریعت کی بالا دستی کو قائم کرنے کا اختیار رکھتی ہیں۔ اور چونکہ دستور کی رو سے اعلیٰ عدالتوں کا اختیار دستُور کے ساتھ ساتھ قانون کے ذریعہ بھی متعیّن کیا جا سکتا ہے اس لئے عدالتوں کے اِس نئے اختیار میں کوئی شبہ نہیں البتّہ اس دفعہ میں عدالتوں کے لئے طریقِ کار کے مسئلہ کو بالکل کھلا چھوڑ دیا گیا ہے جو ہماری نگاہ میں اِس بِل کی ایک بہت بڑی خامی ہے اِتنے اہم قانون میں ایسا خلاء چھوڑنا ایک سانحہ ہے۔ ہم نے پہلے بھی اِس طرف اشارہ کیا ہے اور اب پھر اِس کا اعادہ کرتے ہیں کہ عدالتوں کے لئے طریقِ کار کو انہی خطوط پر مرتّب ہونا

چاہیے جو سینٹ کے بِل میں تجویز کیا گیا تھا۔ اس سے نفاذِ شریعت کا عمل آسان اور مؤثر ہو سکے گا اور عوامی دور میں نچلی سطح کی عدالتوں میں جس اختلاف یا اِنتشار کا خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے' اس سے بچا جا سکے گا۔

۲۔ عُمّالِ حکومت اور انتظامیہ کی عدالتی جواب دہی کا غیر مؤثر طریقِ کار

دُوسری بنیادی خامی اس ایکٹ کی یہ ہے کہ اِس میں انتظامیہ کی عدالتی جواب دہی کے لئے کوئی مؤثر طریقِ کار فراہم نہیں کیا گیا ہے۔ محض یہ کہہ دینا کہ تمام مُسلمان شہریوں کے لئے شریعت کی پابندی لازمی ہو گی اور انتظامیہ کے لئے ضابطۂ اخلاق بنایا جائے گا' قطعاً غیر تسلّی بخش ہے۔ اِسلام کے نظامِ انصاف کا ایک بنیادی اصُول یہ ہے کہ تمام شہری قانون کے سامنے برابر ہیں اور جو جتنا زیادہ ذمّہ داری کے مقام پر ہے اُس کی جواب دہی بھی اتنی ہی زیادہ ہے۔ اس پر عمل کے لئے ضروری ہے کہ تمام عُمّالِ حکومت خواہ اُن کا تعلّق کسی بھی شعبہ سے ہو' سول یا فوجی' انتظامیہ' مقننہ یا عدلیہ' وفاق' صوبہ یا لوکل گورنمنٹ ------ ان کے تمام اقدامات بھی اسی طرح عدالتی محاسبہ کے لئے کھلے ہوں ------ عام انسانوں کے جان' مال اور آبرو کے تحفظ' معاشرہ کو ظُلم و نا انصافی سے پاک کرنے اور خود بدعنوانیوں اور بے ضابطگیوں کو ختم کرنے کے لئے یہ انتظام بہت ضروری ہے۔ سینٹ کے بِل میں اِس کے لئے دو مکمّل دفعات تھیں یعنی دفعہ ۵ اور ۶ موجودہ شکل میں انتظامیہ پر احتساب کا نظام بہت کمزور اور حاکم اور محکوم کی اِس تفریق کو تحفظ دینے والا ہے جو اِسلام کے بنیادی اصُولوں کے خلاف ہے۔ اِس لئے شریعت ایکٹ کی دفعہ ۵ پر بھی مکمّل نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

۳۔ سُود کے خاتمہ کا خلافِ اِسلام انتظام

تیسرے بنیادی مسئلہ کا تعلّق سود اور اس کے خاتمہ سے ہے' نفاذِ شریعت ایکٹ میں تین مقامات پر اِس مسئلہ سے تعرّض کیا گیا ہے بحیثیت مجموعی دفعہ ۸ میں کوئی بڑی خامی نہیں جس میں معیشت کو سُود اور دوسرے منکرات سے پاک کرنے اور اسلامی اصُول و اقدار کی روشنی میں اِس کی تشکیلِ نَو کا ہدف مقرّر کیا گیا ہے۔ اور اِس کے لئے ایک مستقل کمیشن قائم کیا گیا ہے۔ کمیشن کی ذمّہ داری ہے کہ "مختصر ترین مدّت میں معاشی سرگرمیوں کے ہر ایک شعبہ سے ربا کے خاتمہ کی نگرانی کرے"۔ اور حکومت کو ایسے اقدامات کی سفارش کرے جو معیشت سے ربا کے مکمّل خاتمہ کو یقینی بنائیں"۔ بلا شبہ یہاں اِس کام کو مکمّل کرنے کے لئے کوئی مدّت متعیّن نہیں کی گئی اور پہلے جو تجویز تھی کہ یہ کام تین سال میں مکمّل کیا جائے۔ اِسے عُلماء کے اعتراض کے

بعد حذف کر دیا گیا۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنے کی ہے کہ پارلیمنٹ میں، اور اِس سے پہلے شریعت بِل پر کام کرنے والی کمیٹی میں، یہ بات کُھل کر سامنے آگئی تھی کہ ملک کے حکمرانوں کا ایک طبقہ سود کو مزید تحفظ دینا چاہتا ہے اور فیڈرل شریعت کورٹ کے اِس اختیار کو واپس لینا چاہتا ہے جو مالی اور محصولاتی قوانین کے اس عدالت کے دائرہ میں آجانے سے اُسے حاصل ہُوا ہے۔ تمام دینی جماعتوں اور اُن کے نمائندوں نے اِس نوعیّت کی تبدیلی کی ڈٹ کر مخالفت کی اور اِسے رجعتِ قہقری قرار دیا۔ ان کی مخالفت کی وجہ سے تبدیلی کی یہ کوششیں کامیاب نہیں ہُوئیں اور اب اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ حق فیڈرل شریعت کورٹ کو حاصل ہے جو عملاً اس نوعیّت کی ۵۰ کے قریب درخواستوں کی سماعت کر رہی ہے۔ اب جو ادارہ مہلت دینے کا مجاز ہے، وہ صرف فیڈرل شریعت کورٹ ہے۔ اِسی وجہ سے کمیشن یا حکومت کے لئے کوئی زمانی قید عائد نہیں کی گئی اور مثبت طور پر ربا کے مکمّل خاتمہ کو بطورِ ہدف رکھا گیا۔

خرابی جہاں سے رُونما ہوتی ہے وہ ایکٹ کی دفعہ ۱۸ اور ۱۹ ہیں۔ دفعہ ۱۹ میں سودی قرضوں کے سلسلہ میں موجودہ ذمّہ داریوں کی تکمیل کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہ اس مثالی صُورتِ حال سے مختلف ہے جس کی نظیر قرونِ اولیٰ میں مدینہ کی اِسلامی ریاست میں فتحِ مکّہ کے بعد ملتی ہے۔ لیکن خود سینٹ کے منظور کردہ بِل میں بھی دفعہ ۱۹ کے مفہوم کی ایک دفعہ موجود ہے۔ (دفعہ ۱۷) شریعت ایکٹ کی دفعہ ۱۸ سب سے زیادہ قابلِ اعتراض ہے۔ سینٹ کے بل کی دفعہ ۱۵ میں پرانی ذمّہ داریوں کے مسئلہ سے تعرّض کیا گیا تھا مگر اِس آخری حد تک گنجائش رکھ لی گئی تھی جِس کا کوئی جواز ہو سکتا تھا، یعنی ماضی کی تمام بین الاقوامی ذمّہ داریوں کو ادا کیا جائے، ماضی میں کئے گئے معاہدات کی کوئی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ لیکن آئندہ کے لئے دروازہ بند کر دیا جائے۔ موجودہ ایکٹ میں آئندہ کے لئے بھی دروازہ کھلا رکھا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ جب تک متبادل انتظام نہ ہو جائے سودی معاہدات اور ادائیگیوں کے سلسلہ پر پابندی نہیں ہو گی۔ یہ شریعت کے صریح خلاف ہے۔ اِس گنجائش کو خود نفاذِ شریعت ایکٹ کے ایک حصّہ کے طور پر رکھنا ایک ایسی جسارت ہے جِس کی کوئی توجیہہ نہیں ہو سکتی۔ تمام دینی جماعتوں نے اِس پر تنقید کی ہے اور اِس عزم کا اظہار کیا ہے کہ سُود کے مکمّل خاتمہ کے لئے اپنی جدّوجہد جاری رکھیں گے، فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار کو نہ صرف یہ کہ کم نہیں ہونے دیں گے بلکہ اِس کو بڑھانے کے لئے کوشش کریں گے اور اِس خامی کو دور کرنے کے لئے خُود شریعت ایکٹ میں مناسب ترمیم

کے لئے سعی کریں گے۔ ہماری نگاہ میں دفعہ ۱۸ میں ترمیم بہت ضروری ہے۔

۴- کتاب و سنّت کی بالادستی کے منافی اور متصادم احکام کا تحفّظ

شریعت ایکٹ کی چوتھی خامی کا تعلق ان تحفّظات سے ہے جو اس میں مختلف اُمور کے بارے میں دیئے گئے ہیں۔ یہ عجیب ذہنیت ہے کہ ایک طرف شریعت کے نفاذ اور قرآن و سنّت کی بالاتری کی بات کی جاتی ہے' اور دُوسری طرف شریعت کے دائرہ سے مختلف امور کو باہر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ وُہ روش ہے جسے اللہ تعالٰی نے بہت نا پسند کیا ہے اور مُسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی ہے بلکہ اِسے شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے سے تعبیر کیا ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ○

(البقرۃ : ۲۰۸)

اے ایمان لانے والو' تم پُورے کے پُورے اِسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تُمہارا کھلا دشمن ہے۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ (البقرۃ : ۸۵)

تو کیا تم اللہ کی کتاب کے ایک حصّے پر ایمان لاتے ہو اور دُوسرے حصّے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں' اُن کی سزا اِس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں ؟ اللہ اِن حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

شریعت ایکٹ کی دفعہ ۳ میں یہ دو تحفّظات ڈالے گئے ہیں۔ ایک ملک کے دستُوری نظام اور سیاسی ڈھانچہ کے بارے میں' اور دُوسرا غیر مُسلموں کے آئین میں دیئے گئے حقُوق کے سلسلہ میں۔ ویسے تو دستُور عام قانون سے بالاتر ہوتا ہے اور کسی عام قانون کے ذریعہ دستُور میں بیان کردہ کسی چیز کو نہ تو کالعدم کیا جا سکتا ہے اور نہ محدُود۔ اِس لئے یہ تحفّظ تو بہرحال موجود تھا۔ مگر اس ایکٹ میں اِس کے اِظہار سے قلب و نظر کی بیماری کا پتہ چلتا ہے جو ہمارے اضطراب کا سبب ہے۔ اور عملی طور پر گناہ بے لذّت کے مترادف ہے۔

اِس طرح دفعہ ۲۱ کے ذریعہ غیر ضروری طور پر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے حقِ قانون سازی کے بارے میں ایک بحث کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اگر دستُور کے تحت کوئی حق کسی بھی

ادارہ کو حاصل ہے تو وہ عام قاعدہ کے مطابق شریعت ایکٹ سے متاثر نہیں ہو گا۔ لیکن یہ تمام تصریحات جس ذہن کی غمازی کرتی ہیں وہ مریض ذہن ہے' جو یکسوئی کے ساتھ شریعت کی بالادستی کو تسلیم کرنے سے احتراز کر رہا ہے' اور طرح طرح سے چُون و چرا کا اِظہار کرنا چاہتا ہے۔ اِن اِضافوں نے شریعت ایکٹ کے حُسن کو پامال کیا ہے اور ملک کی سیاسی قیادت کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں بجا طور پر شکوک و شبہات پیدا کئے ہیں۔

۵- غیر مُسلموں کے حقُوق میں غیر ضروری اضافہ

اِس سلسلہ کی آخری چیز وہ اضافہ ہے جسے غیر مُسلموں کے حقُوق کے نام پر کیا گیا ہے۔ جہاں تک غیر مُسلموں کے دستُوری حقوق کا تعلّق ہے اِن کی ضمانت اِسلام نے دی ہے اور پاکستانی قوم نے اِن کا مکمّل احترام کیا ہے۔ مخصی قانون کی حد تک بھی پہلے سے یہ چیز شریعت بِل کے ہر مسودہ میں موجود تھی' لیکن غیر مُسلموں کی "روایات' رسوم و رواج اور زندگی کے طریقِ کار" کو اِستثنائی دفعہ (دفعہ ۱ (۴)) میں شامل کرنا قطعاً" غیر ضروری تھا۔ اِس سے ایسی صُورتیں پیدا ہو سکتی ہیں جب ملک کے پبلک لاء اور کسی کے "رسُوم و رواج" اور "طرزِ زندگی" کے نام پر تصادم کی کوئی صُورت پیدا ہو جائے۔

یہ تمام وہ پہلو ہیں جن کی وجہ سے حقیقی نفاذِ شریعت کے باب میں شریعت ایکٹ کی کارکردگی متاثّر ہو گی اور عوام اور اہلِ علم دونوں کی نگاہ میں شریعت ایکٹ کی افادیت مجرُوح ہُوئی ہے۔ ہم نے اگر شریعت ایکٹ کو اس کی موجودہ شکل میں قبول کیا ہے تو وہ اِس اِسلامی اصُول کی روشنی میں کیا ہے کہ اِس سے حاصل ہونے والے فوائد اِس میں پائی جانے والی خامیوں سے زیادہ ہیں۔ لیکن شرعی اور عملی دونوں پہلوؤں سے اِن خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی ہمارا دینی فرض تھا۔ اِن تمام اُمور پر پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ کے باہر' بند کمروں کے مذاکرات میں اور کھلی سیاسی بحث میں ہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور ہم اپنے اس عزم کا اِظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ انشاء اللہ شریعت ایکٹ کی اِن خامیوں کو دور کرانے کی جدّوجہد جاری رکھیں گے۔ نیز اِس امر کی بھی بھرپور کوشش کریں گے کہ دستُوری ترمیم کے ذریعہ شریعت کو ملک کا بالاتر قانون تسلیم کئے جانے کے وعدے کو جلد از جلد پُورا کیا جائے۔ اور اِس کی مناسب صُورت وہی ہے جو جماعتِ اِسلامی کی مجلسِ شُوریٰ نے اپنے حالیہ اجلاس منعقدہ ۱۰' ۱۱' ۱۲۔ اگست ۱۹۹۱ء میں تجویز کی ہے۔ [1]

۱- ملاحظہ فرمائیں : ضمیمہ نمبر ۵

ضمیمہ نمبر ۱

دستور ساز اسمبلی سے سیّد مودودیؒ کا چار نکاتی

مطالبۂ نظامِ اسلامی - ۱۹۴۸ء

چونکہ ———— پاکستان کے باشندوں کی عظیم اکثریت اِسلام کے اصُولوں پر ایمان رکھتی ہے۔ اور

چونکہ ———— پاکستان کی آزادی کے لئے مُسلمانوں کی ساری جدّوجہد اور قربانیاں صرف اِس خاطر تھیں کہ وہ اُن اصُولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

لہٰذا

اب قیامِ پاکستان کے بعد ہر پاکستانی مُسلمان دستُور ساز اسمبلی سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اِس بات کا اعلان کرے کہ:

۱۔ پاکستان کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور حکومتِ پاکستان کی کوئی حیثیّت اِس کے سِوا نہیں ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی مرضی اُس کے ملک میں پُوری کرے۔

۲۔ پاکستان کا بنیادی قانون اِسلامی شریعت ہے۔

۳۔ تمام وہ قوانین جو اِسلامی شریعت کے خلاف اب تک جاری رہے ہیں منسوخ کئے جائیں گے اور آئندہ کوئی ایسا قانون نافذ نہ کیا جائے گا جو شریعت کے خلاف پڑتا ہو۔

۴۔ حکومتِ پاکستان اپنے اختیارات ان حدُود کے اندر استعمال کرے گی جو شریعت نے مقرّر کر دیے ہیں۔

ضمیمہ نمبر ۲

قرار دادِ مقاصد

جسے دستُور ساز اسمبلی نے ۱۲ مارچ ۴۹ء کو پاس کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اُس کی مقرّر کردہ حدُود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہو گا وہ ایک مقدّس امانت ہے؛

مجلسِ دستُور ساز نے جو جمہور پاکستان کی نمائندہ ہے آزاد و خود مختار مملکتِ پاکستان کے لئے ایک دستُور مرتّب کرنے کا فیصلہ کیا ہے؛

جس کی رُو سے مملکت اپنے اختیارت و اقتدار کو جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی؛ جس کی رُو سے جمہوریت، حرّیت، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصُولوں کو جس طرح اِسلام نے ان کی تشریح کی ہے پُورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا؛

جس کی رُو سے مُسلمانوں کو اِس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اِسلامی تعلیمات و مُقتضیات کے مطابق جس طرح کہ قرآنِ پاک و سنّت میں اُن کا تعیّن کیا گیا ہے، ترتیب دے

سکیں؛

جس کی رُو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور اُن پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں؛

جس کی رُو سے وہ علاقے جو اب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاقیہ بنائیں گے جس کے صوبوں کو مقررہ اختیارات و اقتدار کی حد تک خودمختاری حاصل ہو گی

جس کی رُو سے بنیادی حقُوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقُوق میں جہاں تک کہ قانون و اخلاق اجازت دیں، مساوات، حیثیت و مواقع، قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی انصاف اظہار خیال، عقیدۂ دین، عبادت اور شرکت کی آزادی شامل ہو گی؛

جس کی رُو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقوں کے جائز حقُوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا؛ جس کی رو سے نظامِ عدل گستری کی آزادی پُوری طرح محفُوظ ہو گی؛

جس کی رُو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت، اُس کی آزادی اور اُس کے جُملہ حقوق کا جن میں اِس کے خشکی و تری اور فضا پر صیانت کے حقُوق شامل ہیں تحفظ کیا جائے گا؛

تاکہ اہلِ پاکستان فلاح و بہبود حاصل کریں اور اقوامِ عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امنِ عالم برقرار رکھنے اور بنی نوع انسان کی ترقی و خوش حالی کے لئے پُوری کوشش کر سکیں۔

ضمیمہ نمبر ۳

سینٹ کا منظور کردہ شریعت بِل ۱۹۹۰ء

ہر گاہ کہ قرار دادِ مقاصد کو، جو پاکستان میں شریعت کو بالادستی عطا کرتی ہے، دستُورِ اسلامی جمہوریۂ پاکستان ۱۹۷۳ء کے مستقل حصّے کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا ہے۔ اور ہر گاہ کہ مذکورہ قرار دادِ مقاصد کے اغراض کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہے کہ شریعت کے فی الفور نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔ لہٰذا حسب ذیل قانون بنایا جاتا ہے:

۱۔ **مختصر عنوان**، وُسعت اور آغازِ نفاذ

(۱) یہ ایکٹ نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء کے نام سے موسوم ہو گا۔

(۲) یہ پُورے پاکستان پر وُسعت پذیر ہو گا۔

(۳) یہ فی الفور نافذ العمل ہو گا۔

(۴) اس میں شامل کسی امر کا اطلاق غیر مُسلموں کے مخصی قوانین پر نہیں ہو گا۔

۲۔ **تعریفات**، اِس ایکٹ میں، تاوقتیکہ متن سے اس سے مختلف مطلوب ہو، مندرجہ ذیل عبارات سے وہ مفہوم مراد ہے جو یہاں ترتیب وار دیا گیا ہے۔

(الف) "حکومت" سے مراد

(اوّل) کسی ایسے معاملے سے متعلق جسے دستُور میں وفاقی قانون سازی کی فہرست یا مشترکہ قانون سازی کی فہرست میں شمار کیا گیا ہو یا کسی ایسے معاملے کے بارے میں جس کا تعلق "وفاق" سے ہو "وفاقی حکومت"

ہے اور
(دوم) کسی ایسے معاملے سے متعلق جسے مذکورہ فہرستوں میں سے کسی ایک میں شمار نہ کیا گیا ہو یا کسی ایسے معاملے کے بارے میں جس کا تعلق صوبے سے ہو "صوبائی حکومت" ہے۔
(ب) "شریعت" سے مراد وہ احکامِ اسلام ہیں جو قرآن و سنّت سے ثابت ہیں۔
تشریح: شریعت کی تفسیر و تعبیر قرآنِ پاک اور سنّت کی تفسیر و تعبیر کے مُسلّمہ قواعد کے مطابق ہو گی۔ شریعت کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن، سنّت، اِجماع اور قیاس۔
(ج) "عدالت" عدالت سے کسی عدالتِ عالیہ کے ماتحت کوئی عدالت مراد ہے۔اس میں وہ ٹریبونل یا مقتدرہ شامل ہے جسے فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کی رُو سے یا اس کے تحت قائم کیا گیا ہو۔
(د) "قرار دادِ مقاصد" سے مراد وہ قرار دادِ مقاصد ہے جس کا حوالہ دستور کے آرٹیکل ۲ (الف) میں دیا گیا ہے اور جس کو دستور کے ضمیمے میں درج کیا گیا ہے۔
(ز) "مقررہ" سے مراد اس ایکٹ کے تحت مقررہ قواعد ہیں۔
(و) "مستند دینی مدرسہ" سے مراد وہ دینی مدرسہ ہے جسے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن یا حکومت قواعد کے مطابق تسلیم کرتی ہو۔
(ہ) "مفتی" سے مراد شریعت سے کما حقہ واقف وہ مُسلمان عالم ہے جو کسی باقاعدہ مستند دینی مدرسہ کا سند یافتہ اور تخصیص فی الفقہ کی سند حاصل کر چکا ہو اور پانچ سال کسی مستند دینی مدرسہ میں عُلومِ اِسلامی کی تدریس یا افتاء کا تجربہ رکھتا ہو' یا جو دس سال تک کسی مستند دینی مدرسے میں عُلومِ اِسلامی کی تدریس یا افتاء کا تجربہ رکھتا ہو' اور جسے اِس قانون کے تحت شریعت کی تشریح اور تعبیر کرنے کے لئے عدالتِ عظمیٰ' کسی عدالت عالیہ' یا وفاقی شرعی عدالت کی اعانت کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔
۳۔ **شریعت کی بالادستی**' شریعت پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہو گی اور اسے مذکورہ ذیل طریقے سے نافذ کیا جائے گا اور کسی دیگر قانون' رواج یا دستور العمل میں شامل کسی امر کے علی الرغم مؤثر ہو گی۔

۴۔ عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گی۔

(ا) اگر کسی عدالت کے سامنے یہ سوال اٹھایا جائے کہ کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے تو عدالت' اگر اُسے اطمینان ہو کہ سوال غور طلب ہے' ایسے معاملات کی نسبت جو دستور کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے اختیارِ سماعت کے اندر آتے ہوں وفاقی شرعی عدالت سے استصواب کرے گی' اور مذکورہ عدالت مقدمہ کا ریکارڈ طلب کر سکے گی اور اس کا جائزہ لے سکے گی اور امرِ تنقیح طلب کا ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کرے گی۔

مگر شرط یہ ہے کہ' اگر سوال مُسلم شخصی قانون' کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطۂ کار سے متعلق کسی قانون کسی مالی قانون یا محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور وصول کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل وطریقۂ کار سے متعلق کسی قانون کے بارے میں ہو تو عدالت امرِ تنقیح طلب کو عدالتِ عالیہ کے حوالے کر دے گی جو اس کا ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کرے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ عدالت کسی ایسے قانون یا قانون کے حکم کی نسبت اس کے شریعت کے منافی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کسی سوال پر غور نہیں کرے گی جس کا وفاقی شرعی عدالت یا عدالتِ عظمیٰ کی شریعت

مرافعہ بنچ پہلے ہی جائزہ لے چکی ہو اور اس کے شریعت کی منافی نہ ہونے کا فیصلہ کر چکی ہو۔
(۲) ذیلی دفعہ (۱) کا دوسرا فقرہ شرطیہ وفاقی شرعی عدالت یا عدالتِ عظمٰی کی شرعی مرافعہ بنچ کی جانب سے دیئے گئے کسی فیصلے یا صادر کسی حکم پر نظرِ ثانی کرنے کے اختیار پر اثر انداز نہیں ہو گا۔
(۳) عدالتِ عالیہ خود اپنی تحریک پر یا پاکستان کے کسی شہری یا وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر یا ذیلی دفعہ (۱) کے پہلے فقرہ شرطیہ کے تحت اس سے کئے گئے کسی استصواب پر اِس سوال کا جائزہ لے سکے گی اور فیصلہ کر سکے گی کہ آیا کوئی مُسلم مخصی قانون کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطۂ کار سے متعلق کوئی قانون کوئی مالی قانون یا محصولات اور فیسوں کے عائد کرنے اور وصول کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل و طریقۂ کار سے متعلق کوئی قانون یا مذکورہ قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے یا نہیں۔
مگر شرط یہ ہے کہ سوال کا جائزہ لیتے ہُوئے عدالتِ عالیہ توضیح طلب سوال سے متعلقہ شعبہ کا تخصیصی ادراک رکھنے والے ماہرین میں سے جن کو وہ مناسب سمجھے گی اُن کو طلب کرے گی اور اُن کے نقطۂ نظر کی سماعت کرے گی۔
(۴) جب کہ عدالتِ عالیہ ذیلی دفعہ (۳) کے تحت کسی قانون یا قانون کے حکم کا جائزہ لینا شروع کرے اور اسے ایسا قانون یا قانون کا حکم شریعت کے منافی معلوم ہو، تو عدالتِ عالیہ ایسے قانون کی صُورت میں جو دستُور میں وفاقی فہرست قانون سازی یا مشترکہ فہرست قانون سازی میں شامل کسی معاملے سے متعلق ہو وفاقی حکومت کو یا کسی ایسے معاملے سے متعلق کسی قانون کی صورت میں جو اِن فہرستوں میں سے کسی ایک میں بھی شامل نہ ہو صوبائی حکومت کو ایک نوٹس دے گی جس میں ان خاص احکام کی صراحت ہو گی جو اسے بایں طور پر منافی معلوم ہوں اور مذکورہ حکومت کو اپنا نقطۂ نظر عدالتِ عالیہ کے سامنے پیش کرنے کے لئے مناسب موقع دے گی۔
(۵) اگر عدالتِ عالیہ فیصلہ کرے کہ کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے تو وہ اپنے فیصلے میں حسب ذیل بیان کرے گی:
(الف) اس کی مذکورہ رائے قائم کرنے کی وجوہ
(ب) وہ حد جہاں تک ایسا قانون یا حکم بایں طور پر منافی ہے، اور
(ج) اس تاریخ کا تعین جس پر وہ فیصلہ نافذ العمل ہو گا۔
مگر شرط یہ ہے کہ ایسا کوئی فیصلہ اس میعاد کے گزرنے سے پہلے جس کے اندر عدالتِ عظمٰی میں اس کے خلاف اپیل داخل ہو سکتی ہو یا، جب کہ اپیل بایں طور داخل کر دی گئی ہو، اس اپیل کے فیصلے سے پہلے نافذ العمل نہیں ہو گا۔
مزید شرط یہ ہے کہ کسی مالی قانون یا محصولات اور فیسوں کے عائد کرنے اور وصول کرنے یا بنکاری یا بیمہ کے عمل و طریقۂ کار سے متعلق کسی قانون کے بارے میں عدالتِ عالیہ کا فیصلہ اس فیصلے کی تاریخ سے چھ ماہ کی مدّت ختم ہونے تک نافذ العمل نہیں ہو گا۔
مزید شرط یہ ہے کہ عدالتِ عالیہ، وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر جس میں فیصلہ کی تعمیل نہ کرنے کی معقول وجہ ظاہر کی گئی ہو، اس مدّت میں اتنے عرصے کی توسیع کر سکے گی جو تین ماہ سے زیادہ نہ ہو۔

(۶) عدالتِ عالیہ کو اِس دفعہ کے تحت اپنے دیئے ہوئے کسی فیصلے یا صادر کردہ کسی حکم پر نظرِ ثانی کرنے کا اختیار ہو گا۔

(۷) اس دفعہ کی رُو سے عدالتِ عالیہ کو عطا کردہ اختیارِ سماعت کو کم از کم تین ججوں کی کوئی بنچ استعمال کرے گی۔

(۸) اگر ذیلی دفعہ (۱) یا ذیلی دفعہ (۲) میں محولہ کوئی سوال عدالتِ عالیہ کی یک رکنی بنچ یا دو رکنی بنچ کے سامنے اُٹھے تو اسے کم از کم تین ججوں کی بنچ کے حوالے کیا جائے گا۔

(۹) اس دفعہ کے تحت کسی کارروائی میں عدالتِ عالیہ کے قطعی فیصلے سے ناراض کوئی فریق مذکورہ فیصلے سے ساٹھ دن کے اندر عدالتِ عُظمیٰ میں اپیل داخل کر سکے گا۔

مگر شرط یہ ہے کہ وفاق یا کسی صوبے کی طرف سے اپیل مذکورہ فیصلے کو چھ ماہ کے اندر داخل کی جا سکے گی۔

(۱۰) اس قانون میں شامل کوئی امر یا اس کے تحت کوئی فیصلہ اس قانون کے آغازِ نفاذ سے قبل کسی عدالت یا ٹریبونل یا مقتدرہ کی طرف سے کسی قانون کے تحت دی گئی سزاؤں' دیئے گئے احکام یا سنائے ہوئے فیصلوں' منظور شدہ ڈگریوں' ذمہ کئے گئے واجبات' حاصل شدہ حقوق' کی گئی تشخیصات' وصُول شُدہ رقوم' یا اعلان کردہ قابلِ ادا رقوم پر اثر انداز نہیں ہو گا۔

تشریح ---- اس ذیلی دفعہ کی غرض کے لئے "عدالت" یا "ٹریبونل" سے مراد اس قانون کے آغازِ نفاذ سے قبل کسی وقت کسی قانون یا دستُور کی رُو سے یا اس کے تحت قائم شدہ کوئی عدالت یا ٹریبونل ہو گی اور لفظ "مقتدرہ" سے مراد فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کے تحت قائم شدہ کوئی مقتدرہ ہو گی۔

(۱۱) کوئی عدالت یا ٹریبول بشمول عدالتِ عالیہ کسی زیرِ سماعت یا اس قانون کے آغازِ نفاذ کے بعد شروع کی گئی کسی کارروائی کو محض اس بناء پر موقوف یا ملتوی نہیں کرے گی کہ یہ سوال کہ آیا کوئی قانون یا قانون کا حکم شریعت کے منافی ہے یا نہیں عدالتِ عالیہ یا وفاقی شرعی عدالت کے سپُرد کر دیا گیا ہے یا یہ کہ عدالتِ عالیہ نے اس سوال کا جائزہ لینا شروع کر دیا ہے اور ایسی کارروائی جاری رہے گی اور اس میں امر دریافت طلب کا فیصلہ فی الوقت نافذ العمل قانون کے مطابق کیا جائے گا۔ بشرطیکہ عدالتِ عالیہ ابتدائی سماعت کے بعد یہ فیصلہ نہ دے دے کہ زیرِ سماعت مقدمات کو عدالت کے فیصلہ تک روک دیا جائے۔

۵- شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی ---- انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدرِ مملکت وزیرِ اعظم اور وزیرِ اعلیٰ شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا اور اگر ایسا کوئی حکم دے دیا گیا ہو تو اسے عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

۶- عدالتی عمل اور احتساب ---- حکومت کے تمام عُمّال دستُور کے تابع رہتے ہوئے اِسلامی نظامِ انصاف کے پابند ہوں گے اور شریعت کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے۔

۷- عُلماء کو جج اور معاونینِ عدالت مقرر کیا جا سکے گا

(۱) ایسے تجربہ کار اور مُستند عُلماء جو اِس قانون کے تحت مُفتی مقرر کئے جانے کے اہل ہوں' عدالتوں کے ججوں اور معاونینِ عدالت کے طور پر مقرر کئے جانے کے بھی اہل ہوں گے

(۲) ایسے اشخاص جو پاکستان یا بیرونِ ملک اِس مقصد کے لئے متعلقہ حکومت کے تسلیم شدہ' اِسلامی عُلوم کے معروف اداروں اور مستند دینی مدارس سے شریعت کا راسخ علم رکھتے ہوں' فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوجود شریعت کی تشریح اور تدبیر کے لئے عدالت کے سامنے اس مقصد کے لئے

وضع کئے جانے والے قواعد کے مطابق پیش ہونے کے اہل ہوں گے۔
(۳) صدر، چیف جسٹس عدالتِ عالیہ کے مشورے سے ذیلی دفعہ (۱) کی غرض کے لئے قواعد مرتب کرے گا جن میں ججوں اور عدالتوں میں معاونینِ عدالت کی حیثیت سے تقرر کے لئے مطلوبہ اہلیت اور تجربہ کی وضاحت ہو گی۔

(۴) ایسے اشخاص جو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد یا کسی دیگر یونیورسٹی سے قانون اور شریعت میں گریجوایٹ یا پوسٹ گریجوایٹ ڈگریاں رکھتے ہوں، فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوجود اِس فرض کے لئے حکومت کے وضع کردہ قواعد کے مطابق ایڈووکیٹ کی حیثیت سے اندراج کے اہل ہوں گے۔

(۵) اِس دفعہ کے احکام کسی طور پر بھی قانون پیشہ اشخاص اور مجالسِ وکلاء سے متعلق قانون کے تحت اِندراج شُدہ وکلاء کے مختلف عدالتوں، ٹریبونلوں اور دیگر مُقتدرات بشمولِ عدالت کسی عدالتِ عالیہ یا وفاقی شرعی عدالت میں پیش ہونے کے حق پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔

۸- مُفتیوں کا تقرّر

(۱) صدر، چیف جسٹس پاکستان یا چیف جسٹس وفاقی عدالت اور چیئرمین اِسلامی نظریاتی کونسل کے مشورہ سے، جس طرح وہ مناسب تصوّر کرے، ایسے اور اتنے مفتیوں کا تقرّر کرے گا جو عدالتِ عُظمیٰ، عدالتِ عالیہ اور وفاقی شرعی عدالت کی شریعت کے احکام کی تعبیر و تشریح میں اعانت کے لئے مطلوب ہوں۔

(۲) - ذیلی دفعہ (۱) - کے تحت مقرر کردہ کوئی مفتی یا صدر کی رضا مندی کے دوران اپنے عہدے پر فائز رہے گا اور اس کا عہدہ فی الوقت کسی نائب اٹارنی جنرل برائے پاکستان کے برابر ہو گا۔

(۳) - مفتی کا یہ فرض ہو گا کہ وہ حکومت کو ایسے قانونی امور کے بارے میں جن پر شریعت کی تشریح و تعبیر درکار ہو مشورہ دے اور ایسے دیگر فرائض انجام دے جو حکومت کی طرف سے اُس کے سپُرد یا اُس کو تفویض کئے جائیں اور اُسے حق حاصل ہو گا کہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں عدالتِ عُظمیٰ اور عدالتِ عالیہ میں جب کہ وہ اس قانون کے تحت اختیارِ سماعت استعمال کر رہی ہوں وہ وفاقی شرعی عدالت میں سماعت کے لئے پیش ہو۔

(۴) - کوئی مفتی کسی فریق کی وکالت نہیں کرے گا بلکہ کارروائی سے متعلق اپنی دانست کے مطابق شریعت کا حکم بیان کرے گا، اس کی توضیح، تشریح و تعبیر کرے گا اور شریعت کی تشریح کے بارے میں اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کرے گا۔

(۵) - حکومتِ پاکستان کی وزارتِ قانون و انصاف مفتیوں کے بارے میں انتظامی امور کی ذمّہ دار ہو گی۔

۹- شریعت کی تدریس و تربیت

(۱) مملکت، اِسلامی قانون کے مختلف شعبوں میں تعلیم و تربیت کے لئے مؤثر انتظامات کرے گی۔ تاکہ شریعت کے مطابق نظامِ عدل کے لئے تربیت یافتہ افراد دستیاب ہو سکیں۔

(۲) - مملکت کے ماتحت عدلیہ کے ارکان کے لئے وفاقی جوڈیشل اکادمی اِسلام آباد اور اِس طرح کے دیگر اداروں میں شریعت اور اِسلامی فقہ کی تدریس و تربیت نیز باقاعدہ وقفوں سے تجدیدی پروگراموں کے انعقاد کے لئے مؤثر انتظامات کرے گی۔

(۳) ۔ مملکت، پاکستان کے لاء کالجوں میں فقہ اور اصولِ فقہ کے جامع اسباق کو نصاب میں شامل کرنے کے لئے مؤثر اقدامات کرے گی۔

۱۰۔ معیشت کو اِسلامی بنانا

(۱) ۔ مملکت اِس امر کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کرے گی کہ پاکستان کے معاشی نظام کی تعمیر اجتماعی عدل کے اِسلامی اصولوں، اقدار اور ترجیحات کی بنیاد پر کی جائے اور دولت کمانے کے اُن تمام ذرائع پر پابندی ہو جو خلافِ شریعت ہیں۔

(۲) ۔ صدر، اس قانون کے آغازِ نفاذ کے ساٹھ دن کے اندر، ایک مستقل کمیشن مقرّر کرے گا جو ماہرینِ معاشیات، عُلماء اور منتخب نمائندگانِ پارلیمنٹ پر مشتمل ہو گا جس کو وہ موزوں تصوّر کرے اور ان سے ایک کو اس کا چیئرمین مقرّر کرے گا۔

(۳) ۔ کمیشن کے چیئرمین کو حسبِ ضرورت مشیر مقرّر کرنے کا اختیار ہو گا۔

(۴)۔ کمیشن کے کارہائے منصبی حسب ذیل ہوں گے:

(الف) ۔ معیشت کو اِسلامی بنانے کے عمل کی نگرانی کرنا اور عدمِ تعمیل کے معاملات وفاقی حکومت کے علم میں لانا۔

(ب) ۔ کسی مالیاتی قانون یا محصولات اور فیسوں کے عائد کرنے اور وصول کرنے سے متعلق کسی قانون یا بنکاری اور بیمہ کے عمل اور طریقۂ کار کو اِسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لئے سفارش کرنا۔

(ج) ۔ دستور کے آرٹیکل ۳۸ کی روشنی میں عوام کی سماجی اور معاشی فلاح و بہبود کے حصول کے لئے پاکستان کے معاشی نظام میں تبدیلیوں کی سفارش کرنا اور

(د) ۔ ایسے طریقے اور اقدامات تجویز کرنا جن میں ایسے موزوں متبادلات شامل ہوں جن کے ذریعے وہ نظامِ معیشت نافذ کیا جا سکے جسے اِسلام نے پیش کیا ہے۔

(۵) ۔ کمیشن کی سفارش پر مستقل ایک جامع رپورٹ اس کے تقرّر کی تاریخ سے ایک سال کی مدت کے اندر وفاقی حکومت کو پیش کی جائے گی اور اس کے بعد کمیشن حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً اپنی رپورٹ پیش کرتا رہے گا۔ البتہ سال میں کم از کم ایک رپورٹ پیش کرنا لازمی ہو گا۔ کمیشن کی رپورٹ حکومت کو موصُول ہونے کے ۳ ماہ کے اندر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے سامنے بحث کے لئے پیش کی جائے گی۔

(۶) ۔ کمیشن کو ہر لحاظ سے جس طرح وہ مناسب تصوّر کرے اپنی کارروائی کے انصرام اور اپنے طریقۂ کار کے انضباط کا اختیار ہو گا۔

(۷) ۔ جملہ انتظامی مقتدرات، ادارے اور مقامی حکام کمیشن کی اعانت کریں گے۔

(۸) ۔ وزارتِ خزانہ حکومتِ پاکستان اس کمیشن سے متعلق انتظامی امور کی ذمّہ دار ہو گی۔

۱۱۔ ذرائع ابلاغِ عامہ اِسلامی اقدار کو فروغ دیں گے

مملکت کی یہ ذمّہ داری ہو گی کہ وہ ایسے مؤثر اقدام کرے جن کے ذریعہ ذرائع ابلاغِ عامہ سے اِسلامی اقدار کو فروغ ملے نیز نشرو ابلاغ کے ہر ذریعہ سے خلافِ شریعت پروگرام، فواحش اور منکرات کی اِشاعت پر پابندی ہو گی۔

۱۲۔ تعلیم کو اِسلامی بنانا

(۱) مملکت اِسلامی معاشرہ کی حیثیت سے جامع اور متوازن ترقی کے لئے مؤثر اقدامات کرے گی تاکہ اِس امر کو یقینی بنایا جا سکے کہ پاکستان کے نظامِ تعلیم و تدریس کی اساس اِسلامی اقدار پر ہو۔

(۲) صدر مملکت اس قانون کے آغازِ نفاذ سے ساٹھ دن کے اندر تعلیم اور ذرائع اِبلاغ کو اِسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایک کمیشن مقرّر کرے گا۔ جو ماہرینِ تعلیم' ماہرینِ ابلاغِ عامہ' علماء اور منتخب نمائندگان پارلیمنٹ پر مشتمل ہو گا جن کو وہ موزوں تصوّر کرے اور ان میں سے ایک کو اس کا چیئرمین مقرّر کرے گا۔

(۳) کمیشن کے چیئرمین کو حسبِ ضرورت مشیر مقرّر کرنے کا اختیار ہو گا۔

(۴) کمیشن کے کارہائے منصبی یہ ہوں گے :

(ا) ...... دفعہ ۱۱ اور اس دفعہ کی ذیلی دفعہ (۱) میں متذکّرہ مقصد کے حصُول کے لئے پاکستان کے تعلیمی نظام اور ذرائع اِبلاغ کا جائزہ لے اور اس بارے میں سفارشات پیش کرے۔

(ب) تعلیم اور ذرائع اِبلاغ کو اِسلام کے مطابق ڈھالنے کے عمل کی نگرانی کرے اور عدمِ تعمیل کے معاملات وفاقی حکومت کے علم میں لائے۔

(۵) کمیشن کی سفارشات پر مشتمل ایک جامع رپورٹ اس کے تقرّر کی تاریخ سے ایک سال کی مدّت کے اندر وفاقی حکومت کو پیش کی جائے گی اور اس کے بعد کمیشن حسبِ ضرورت وقتاً" فوقتاً" اپنی رپورٹیں پیش کرتا رہے گا۔ البتّہ سال میں کم از کم ایک رپورٹ پیش کرنا لازمی ہو گا۔ کمیشن کی رپورٹ' حکومت کو موصُول ہونے کے تین ماہ کے اندر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے سامنے بحث کے لئے پیش کی جائے گی۔

(۶) کمیشن کو ہر لحاظ سے' جس طرح وہ مناسب تصوّر کرے' اپنی کارروائی کے اِنصرام اور اپنے طریقۂ کار کے انضباط کا اختیار ہو گا۔

(۷) جملہ انتظامی مقتدرات' ادارے اور مقامی حکّام کمیشن کی اعانت کریں گے۔

(۸) وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان اِس کمیشن سے متعلّق اِنتظامی امور کی ذمّہ دار ہو گی۔

۱۳۔ عُمّالِ حکومت کے لئے شریعت کی پابندی

انتظامیہ' عدلیہ اور مقنّنہ کے تمام مُسلمان ارکان کے لئے فرائضِ شریعت کی پابندی اور کبائر سے اِجتناب لازم ہو گا۔

۱۴۔ قوانین کی تعبیر شریعت کی روشنی میں کی جائے گی

اِس قانون کی غرض کے لئے (اوّل) قانون موضوعہ کی تشریح و تعبیر کرتے وقت' اگر ایک سے زیادہ تشریحات اور تعبیرات ممکن ہوں' تو عدالت کی طرف سے اِس تشریح و تعبیر کو اختیار کیا جائے گا جو اِسلامی اصولوں اور فقہی قواعد و ضوابط اور اصُولِ ترجیح کے مطابق ہو' اور

(دوم) جب کہ دو یا دو سے زیادہ تشریحات و تعبیرات مساوی طور پر ممکن ہوں تو عدالت کی طرف سے اِس تشریح و تعبیر کو اختیار کیا جائے گا جو اِسلامی احکام اور دستُور میں بیان کردہ حکمتِ عملی کے اصُولوں کو فروغ دے۔

۱۵۔ بین الاقوامی مالی ذمّہ داریوں کا تسلسل

اِس قانون کے احکام یا اِس کے تحت دیئے گئے کسی فیصلے کے باوجود اِس قانون کے نفاذ سے پہلے کسی قومی ادارے اور بیرونی ایجنسی کے درمیان عائد کردہ مالی ذمّہ داریاں اور کئے گئے معاہدے مؤثر لازم اور قابلِ عمل رہیں گے۔

تشریح ----- اس دفعہ میں "قومی ادارے کے الفاظ میں وفاقی حکومت یا کوئی صوبائی حکومت ' کوئی قانونی کارپوریشن' کمپنی' ادارہ' ہیئت' تجارتی ادارہ اور پاکستان میں کوئی شخص شامل ہوں گے اور "بیرونی ایجنسی" کے الفاظ میں' کوئی بیرونی حکومت کوئی بیرونی مالی ادارہ' بیرونی سرمایہ منڈی' بشمول بنک اور کوئی بھی قرض دینے والی بیرونی ایجنسی بشمول کسی شخص کے شامل ہوں گے۔

۱۶۔ موجودہ ذمّہ داریوں کی تکمیل

اِس قانون میں شامل کوئی امر یا اس کے تحت کوئی دیا گیا فیصلہ کسی عائد کردہ مالی ذمّہ داری کی باضابطگی پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ بشمول ان ذمّہ داریوں کے جو وفاقی حکومت یا کسی صوبائی یا کسی مالی یا قانونی کارپوریشن یا دیگر ادارے نے کسی دستاویزات کے تحت واجب کی ہوں یا اس کی طرف سے کی گئی ہوں۔ خواہ وہ معاہداتی ہوں یا بصورتِ دیگر ہوں یا ادائیگی کے وعدے کے تحت ہوں اور یہ تمام ذمّہ داریاں' وعدے اور مالی پابندیاں قابلِ عمل لازم اور مؤثر رہیں گی۔

۱۷۔ قواعد ----- متعلقہ حکومت' سرکاری جریدے میں اعلان کے ذریعے اس قانون کی اغراض کی بجا آوری کے لئے وضع کر سکے گی۔

ضمیمہ نمبر ۴

نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء

ہر گاہ کہ ساری کائنات پر حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اِس حاکمیت کو پاکستان کے عوام کی طرف سے اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے اس کی بیان کردہ حدود کے اندر استعمال کرنا ایک مقدس امانت ہے۔

اور ہر گاہ کہ اِسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا جا چکا ہے اور اِس طرح تمام مُسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ قرآنِ مجید اور سنّت کے احکام پر عمل کریں تاکہ اُن کی زندگیاں مکمّل طور پر خدائی قوانین کی اطاعت کے تحت آجائیں۔

اور ہر گاہ کہ قراردادِ مقاصد کو اِسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مستقل جزو کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

اور ہر گاہ کہ اِسلامی ریاست کی یہ ایک بنیادی ذمّہ داری ہے کہ وہ شہریوں کی عزّت' زندگی' آزادی' جائیداد اور بنیادی حقوق کا تحفظ کرے اور امن کو یقینی بنائے اور اِسلامی نظامِ عدل کے ذریعے تمام عوام کو سستا اور جلد انصاف فراہم کرے۔

اور ہر گاہ کہ اِسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اِسلامی اقدار کی بنیاد پر سماجی نظام قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اور ہر گاہ کہ مذکورہ بالا مقاصد اور اہداف کے حصُول کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان اقدامات کو آئینی اور قانونی پشتیبانی کی جائے۔

چنانچہ درج ذیل قانون بنایا جاتا ہے :

۱۔ مختصر نام اطلاق اور آغاز

(۱) - اِس ایکٹ کو نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کا نام دیا گیا ہے۔

(۲) - اِس کا اطلاق پُورے پاکستان پر ہو گا۔

(۳) - یہ فوری طور پر نافذ العمل ہو گا۔

(۴) - اس ایکٹ کا کوئی جزو غیر مُسلموں کے پرسنل لاز' مذہبی آزادی' روایات' رسوم و رواج اور طرزِ زندگی پر اثر انداز نہیں ہو گا۔

۲۔ تعریف ---- اس ایکٹ میں شریعت کا مطلب قرآن و سنت کے بیان کردہ اِسلامی احکامات ہیں۔

وضاحت --- ۱۔شریعت کی تشریح و توضیح کرتے وقت قرآن و سنت کی تشریح و توضیح کے مُسلّمہ اصُولوں کی پیروی کی جائے گی اور اِسلام کے مُسلّمہ فقہاء کی تشریح اور آراء پر عمل کیا جائے گا۔ موجودہ اِسلامی مکاتبِ فقہ کی آراء پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔

وضاحت --- ۲۔جیسا کہ آئین کے آرٹیکل ۲۲۷ میں بیان کیا گیا ہے' مُسلمانوں کے کسی بھی فرقہ کے پرسنل لاز کے حوالے سے تشریح کرتے وقت قرآن و سنت کی تشریح سے مراد قرآن و سنت کی اس فرقہ کی تشریح ہو گی۔

۳۔ شریعت کی بالا دستی ---- شریعت یعنی اسلام کے احکامات جو قرآن و سنت میں بیان کئے گئے ہیں' پاکستان کا بالادست قانون (سپریم لاء) ہوں گے بشرطیکہ سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل متاثر نہ ہو۔

۴۔ قوانین کی تشریح شریعت کی روشنی میں ہو گی اِس ایکٹ کے مقصد کے لئے

(ا) --- سٹیچولا --- کی تشریح کرتے وقت اگر ایک سے زائد تشریحات ممکن ہوں تو عدالت اِس تشریح کو اپنائے گی جو اِسلامی اصُولوں اور فقہ کے مطابق ہو گی اور

(ب) --- جہاں دو یا اِس سے زائد تشریحات مُساوی طور پر ممکن ہوں' تو وہ تشریح اختیار کی جائے گی جو آئین میں پالیسی کے اصُولوں اور اِسلامی دفعات کو آگے بڑھائے۔

۵۔ مُسلمان شہریوں کی طرف سے شریعت پر عمل کرنا ---- پاکستان کے تمام مُسلمان شہری شریعت اور ایکٹ پر عمل کریں گے۔

۶۔ شریعت کی تعلیم اور اُس کی تربیت وغیرہ ---- ریاست درج ذیل مقاصد کے لئے موثر انتظامات کرے گی۔

(ا) --- تعلیمی اور پیشہ وارانہ تربیت کی مناسب سطح پر شریعت' اِسلامی فقہ اور اِسلامی قانون کی دیگر تمام شاخوں کی تعلیم اور تربیت۔

(ب) -- لاء کالجوں کے نصاب میں شرعی کورس شامل کرنا۔

(ج) -- عربی زبان کی تعلیم دینا اور

(د) -- شریعت' اِسلامی فقہ اور اِفتاء کی مناسب تعلیم رکھنے والے افراد کی خدمات عدالتی نظام کے لئے حاصل کرنا۔

۷۔ تعلیم کی اسلامائزیشن

(۱) ریاست اس بات کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کرے گی کہ پاکستان کا تعلیمی نظام تعلیم و تدریس اور کردار سازی کی اسلامی اقدار کی بنیاد پر قائم ہو۔
(۲) وفاقی حکومت اِس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ۳۰ دنوں کے اندر اندر ماہرینِ تعلیم' ماہرینِ قانون' علماء اور منتخب نمائندوں جنہیں وہ مناسب سمجھے' پر مشتمل ایک کمیشن قائم کرے گی اور اِن میں سے ایک کو کمیشن کا چیئرمین مقرر کرے گی۔
(۳) کمیشن کا کام یہ ہو گا کہ وہ پاکستان کے نظامِ تعلیم کا جائزہ لے تاکہ ذیلی دفعہ (۱) میں بیان کردہ مقاصد حاصل کئے جا سکیں اور اِس سلسلہ میں سفارشات تیار کرے۔
(۴) کمیشن کی سفارشات پر مشتمل ایک رپورٹ وفاقی حکومت کو پیش کی جائے گی۔ جو اسے مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کے دونوں ایوانوں کے سامنے رکھے گی۔
(۵) کمیشن کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ جس حوالے سے بھی مناسب سمجھے اپنی کارروائی کرے۔ اور اپنا طریقۂ کار بنائے۔
(۶) تمام انتظامی اتھارٹیاں' ادارے اور مقامی اتھارٹیاں کمیشن کی مدد کریں گی۔
(۷) حکومتِ پاکستان کی وزارتِ تعلیم کمیشن سے متعلقہ انتظامیہ امور کی ذمہ دار ہو گی۔

۸۔ معیشت کی اِسلامائزیشن

(۱) ریاست اس امر کو یقینی بنانے کے اقدامات کرے گی کہ پاکستان کا اقتصادی نظام' اِسلامی اقتصادی مقاصد' اصُولوں اور ترجیحات کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ (۲) وفاقی حکومت اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ۳۰ دن کے اندر اندر ماہرینِ اقتصادیات' بنکاروں' قانون دانوں' عُلماء اور منتخب نمائندوں اور ایسے دوسرے افراد جنہیں وہ مناسب سمجھے' پر مشتمل ایک کمیشن قائم کرے گی اور ان میں سے ایک کو کمیشن کا چیئرمین مقرر کرے گی۔
(۳) کمیشن کے ذمہ یہ کام ہوں گے :
(ا) ایسے اقدامات' جن میں مناسب متبادل بھی شامل ہوں گے' تجویز کرنا جن کی بدولت اِسلام کا بیان کردہ اقتصادی نظام قائم کیا جا سکے۔
(ب) پاکستان کے اقتصادی نظام میں ایسی تبدیلیوں کے لئے جن سے آئین کے آرٹیکل ۳۸ میں بیان کردہ عوام کی سماجی اور اقتصادی بہبود حاصل ہو سکے' ذرائع' طریقے اور حکمتِ عملی تجویز کرنا۔
(ج) ہر مالی قانون یا ٹیکس اور فیس عائد کرنے یا ان کی وصُولی سے متعلقہ قانون یا بنکاری اور انشورنس کے قانون یا طریقۂ کار کا جائزہ لینا تاکہ یہ امر متعیّن کیا جا سکے کہ یہ قوانین شریعت سے متصادم ہیں یا نہیں اور اِن قوانین ہائے کار کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے سفارشات تیار کرنا اور
(د) اقتصادیات کی اسلامائزیشن میں ہونے والی پیش رفت کی نگرانی کرنا' اس میں کوتاہیوں اور رُکاوٹوں کی شناخت کرنا اور کسی بھی مشکل کو دُور کرنے کے لئے متبادل تجویز کرنا۔
(۴) کمیشن اقتصادی امُور کے ہر شعبہ سے کم از کم ممکن وقت میں ربوٰ کے خاتمہ کے عمل کی نگرانی کرے گا اور حکومت کو اقدامات کی سفارش کرے گا جو معیشت سے ربوٰ کے مکمل خاتمہ کو یقینی بنائیں گے۔
(۵) کمیشن باقاعدہ بنیادوں پر مناسب وقفوں سے اپنی رپورٹیں وفاقی حکومت کو پیش کرے گا جو انہیں مجلسِ

شوریٰ (پارلیمنٹ) کے دونوں ایوانوں میں رکھے گی اور کمیشن اسلامی اقتصادی نظام کے قیام کے سلسلے میں وفاقی حکومت کے کسی بھی استفسار کا جواب دے گا۔
(٦) کمیشن کو اختیار ہو گا کہ وہ اپنی کارروائی اور طریقۂ کار کو ہر حوالے سے جو وہ مناسب سمجھے چلائے۔
(٧) تمام انتظامی اتحاد اتھارٹیاں ' ادارے اور مقامی اتھارٹیاں کمیشن کی مدد کریں گی۔
(٨) حکومتِ پاکستان کی وزارتِ خزانہ کمیشن سے متعلق انتظامی امور کی ذمّہ دار ہو گی۔

۹۔ ذرائع اِبلاغ کے ذریعے اِسلامی اقدار کا فروغ

(ا) حکومت ذرائع اِبلاغ کے ذریعے اِسلامی اقدار کو فروغ دینے کے سلسلے میں ضروری اقدامات کرے گی۔
(۲) شریعت کے خلاف توہین آمیز مواد جس میں فحاشی کی ترغیب دی گئی ہو' کی اشاعت پر مکمّل پابندی ہو گی۔

۱۰۔ ہر شہری کی جان و مال اور شخصی آزادی کی ضمانت --- پاکستان کے ہر شہری کے جان و مال عزت، حقوق اور آزادی کے تحفّظ کی خاطر حکومت قانونی اور انتظامی اقدامات کرے گی جس کے تحت
(ا) انتظامیہ اور پولیس میں اصلاحات کا نفاذ (ب) دہشت گردی اور سبوتاژ اور تخریبی سرگرمیوں کو روکنا (ج) غیر قانونی اسلحہ کا رکھنا اور اس کے مظاہرے پر پابندی لگانا۔

۱۱۔ رشوت اور کرپشن کا خاتمہ --- رشوت ستانی' کرپشن اور بددیانتی پر قابو پانے کے لئے حکومت قانونی اور انتظامی اِقدامات کرے گی اور ہر جُرم کے لئے مثالی سزا دی جائے گی۔

۱۲۔ فحاشی اور بے حیائی کو دُور کرنا --- فحاشی بے حیائی اور دیگر غیر اخلاقی حرکات کے خاتمہ کے لئے حکومت قانونی اور اِنتظامی اختیارات کا سختی سے استعمال کرے گی۔

۱۳۔ سماجی برائیوں کا خاتمہ --- قرآنِ حکیم کے اِرشاد کے مطابق اَمر بالمعروف ونَہی عنِ المنکر کے اصُولوں کے تحت اِسلامی شعائر کے فروغ کے لئے حکومت سماجی برائیوں پر قابو پانے اور اُن پر عمل درآمد کے لئے ضروری قوانین وضع کرے گی۔

۱۴۔ نظامِ عدل --- حکومت عدلیہ کے نظام کو اِسلامی رنگ دینے کے لئے ضروری اقدامات کرے گی اور ایسے قوانین کو ختم کر دے گی جس میں مختلف عدالتوں میں ایک ہی مقدمہ کی سماعت سے انصاف حاصل کرنے میں تاخیر ہوتی ہو۔ اس کے علاوہ مقدّمہ کے اخراجات میں کمی کے علاوہ عدالت سے انصاف کے حصُول کی جستجو کو یقینی بنایا جائے گا۔

۱۵۔ بیت المال (ویلفیئر فنڈ) --- غریبوں' بے سہارا' حاجت مندوں' معذُوروں' بیواؤں' یتیموں اور بے کس لوگوں کی مالی امداد کیلئے حکومت ایک بیت المال قائم کرے گی۔

۱۶۔ نظریۂ پاکستان کا تحفّظ --- پاکستان کو ایک اِسلامی مملکت کی حیثیت سے اس کے نظریہ ' یک جہتی اور اِستحکام کی حفاظت کے لئے حکومت ضروری قوانین نافذ کرے گی۔

۱۷۔ جھُوٹے الزامات کے خلاف حفاظتی اقدامات --- پاکستانی شہریوں کے خلاف جھوٹے الزامات،کردار کشی اور اُن کی پرائیویٹ زندگی کے خلاف سرگرمیوں کو روکنے کے لئے حکومت قانونی اور اِنتظامی کارروائی کرے گی تاکہ ان کی عزّت اور شہرت کا تحفّظ کیا جائے۔

۱۸۔ بین الاقوامی مالیاتی فرائض --- اس ایکٹ میں شامل ہر جزو یا کسی عدالت کے فیصلے کے باوجود جب تک کہ متبادل اقتصادی نظام نافذ نہیں کر دیا جاتا۔ موجودہ مالی ذمّہ داریاں اور قومی اداروں اور غیر ملکی

اداروں کے درمیان کئے جانے والے معاہدے، بہ قرار قانونی واجب العمل اور جاری رہیں گے۔
تشریح ۔ اس شق میں قومی ادارے کی تشریح کے طور پر ایسے تمام وفاقی اور صوبائی ادارے قانونی کارپوریشن، کمپنیاں، ادارے، باڈی، انٹرپرائز یا پاکستان کا کوئی شخص اور غیر ملکی ایجنسی کی اصطلاح میں بیرونی حکومت، غیر ملکی مالیاتی ادارہ، غیر ملکی کیپٹل مارکیٹ جس میں بنک یا کوئی غیر ملکی قرضہ جاری کرنے والی کمپنی بشمول فردِ واحد اور مال مہیا کرنے یا خدمات ادا کرنے والا شخص۔

۱۹۔ موجودہ فرائض کو پُورا کرنا ۔۔۔۔ اِس ایکٹ میں شامل ہر جزو یا اِس کے تحت کیا جانے والا کوئی فیصلہ، کسی بھی ادا شدہ مالیاتی فرائض بشمول کوئی معاہدہ جو کسی کنٹریکٹ کے تحت کیا گیا ہو یا کسی دوسرے طریقہ سے جس میں رقم کی ادائگی کا وعدہ کیا گیا ہو یا وفاقی، صوبائی حکومت کسی مالیاتی یا قانونی ادارے یا کسی دیگر ادارے نے ادائگی کا وعدہ کیا ہو اور یہ سب کنٹریکٹ اور ادائگی کے وعدے قانونی اور پابند رہیں گے اور اُس وقت تک جاری رہیں گے جب تک کہ ایک متبادل اقتصادی نظام معرض وجود میں نہ آجائے۔

۲۰۔ عورتوں کے حقوق مُتاثر نہیں ہوں گے ۔۔۔۔ اِس ایکٹ میں شامل کسی بھی جزو کے باوجود آئین کے تحت عورتوں کے دیئے جانے والے کوئی بھی حقوق متاثر نہیں ہوں گے۔

۲۱۔ پارلیمنٹ کے قانون سازی کے حقوق مُتاثر نہیں ہوں گے ۔۔۔۔ اس ایکٹ میں شامل کسی بھی جزو کے باوجود پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو آئین کے تحت متعلقہ امُور کے بارے میں قانون سازی کے خصُوصی حقُوق حاصل ہوں گے۔

۲۲۔ اِس ایکٹ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے قوانین کا اعلان کر سکے گی۔

مقاصد اور اُن کی وجوہات کی تشریح

پاکستان کو ایک اِسلامی ریاست بنانے کی عوامی خواہش کا احترام کرتے ہُوئے دیگر امُور کے علاوہ (۱) ایک ایسا سماجی نظام قائم کیا جائے گا جس میں شہریوں کے مابین مساوات پر مبنی ایک ایسی سوسائٹی قائم کی جائے جو لوٹ کھسوٹ کی بجائے شہریوں کے جان و مال آزادی اور حقُوق کو یقینی بنائے اور آزادانہ اِسلامی اِنصاف کی طرز پر ہر شہری کو سستا اور فوری انصاف مہیا کرے۔
(ب) شریعت کے مطابق ایسا سسٹم رائج کیا جائے گا جس کے تحت رشوت، کرپشن اور بدعنوانی کا خاتمہ ہو۔
(ج) فحاشی، غیر اَخلاقی اور دیگر سماجی برائیوں کا قلع قمع کر دیا جائے گا۔ یہ بل قرار دیتا ہے کہ شریعت یعنی قرآن و سنّت کے بیان کردہ احکام پاکستان کا سپریم لاء ہوں گے۔ بل تقاضا کرتا ہے کہ پاکستان کے تمام مسلمان شہری شریعت پر ایمانداری سے عمل کریں گے۔ بل ریاست پر ذمّہ داری عائد کرتا ہے کہ:
(ا) شریعت اور اِسلامی فقہ کے اصُولوں کی تعلیم و تربیت کے لئے نتیجہ خیز انتظامات کرے۔
(ب) اِسلامی طریقۂ انصاف کو با اثر بنانے کے لئے ضروری اقدامات کرے تاکہ لوگوں کو مختلف عدالتوں سے رجوع کرنے کی ضرورت سے بچایا جا سکے۔
(ج) لوگوں کی زندگی، عزّت، آزادی، جائیداد اور حقُوق کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے پولیس میں اِصلاحات کرے۔
(د) ہر قسم کی کرپشن کو ختم کرنے کے لئے قانون کو جامع اور اثر پذیر بنائے۔

(ڈ) غریبوں' حاجت مندوں' بیواؤں یتیموں اور بے سہارا شہریوں کی مدد کے لئے ایک بیتُ المال قائم کرے۔
(ذ) فحاشی' بے حیائی اور دیگر برائیوں کے خاتمہ کے لئے قانونی اور انتظامی اقدامات کرے۔
(ر) پاکستان کے نظریہ، اِستحکام اور یک جہتی کی حفاظت کے لئے ضروری قوانین وضع کرے۔
(ڑ) غیر قانونی اسلحہ رکھنے یا اُس کا مظاہرہ کرنے پر پابندی لگانے کے لئے ضروری قوانین بنائے۔
(ز) پاکستان کے اقتصادی نظام کو اِسلامی اقدار اور اصُولوں کی بنیاد پر قائم رکھنے کے لئے ایک کمیشن قائم کرے جس میں ماہرِ اقتصادیات' بنکنگ' قانونی ماہرین' عُلماء اور عوام کے منتخب نمائندے شامل ہوں جن کے فرائض میں ایسے اقدامات اور طریقِ کار کی سفارش کرنا ہے جو موجودہ اقتصادی نظام کے بدلے ایک اِسلامی اِقتصادی نظام کی بنیاد رکھ سکے جس پر عمل کرنے سے اقتصادیات کو اسلامائزیشن کے رُوپ میں ڈھالا جا سکے اور یہ ایک ایسا اِسلامی اقتصادی نظام ہو جو اقتصادیات کے ہر شعبہ سے ربوٰ کا کلّی طور پر خاتمہ کر سکے اور یہ عمل جلد از جلد ہونا چاہیے۔
(ژ) ذرائع اِبلاغ کے ذریعے اِسلامی اَقدار کے فروغ کے لئے ضرُوری اقدامات کرے۔
(س) پاکستان کے تعلیمی نظام کو اِسلامی اقدار پر مبنی تعلیمات' درس و تدریس اور اخلاقیات کے فروغ کو یقینی بنانے کے لئے ضروری اقدامات کے سلسلے میں ایک کمیشن قائم کرے جس میں تعلیمی ماہرین' قانون دان' عُلماء اور عوام کے منتخب نمائندے شامل ہوں گے جو درجہ ذیل اُمور کے لئے اپنی سفارشات پیش کریں:
(ا) سماجی برائیوں کو دُور کرنے اور قرآن و سنّت میں بیان کردہ اَمر بالمعروف و نہی عنِ المنکر کے اِسلامی اصُولوں پر مبنی اِسلامی اقدار کے فروغ کو یقینی بنائے۔
(ب) پاکستان کے اقتصادی نظام کو تباہی سے بچانے اور تمام معاہدوں کا احترام کرتے ہُوئے اُنہیں باعزّت طور پر پُورا کرنے کی خاطر یہ بِل تمام مالی فرائض اور معاہدہ جات جو قومی اداروں اور غیر ملکی ایجنسیوں کے مابین کئے گئے ہیں' کسی نئے اقتصادی نظام کے نفاذ تک ان پر عمل درآمد کو یقینی بنائے۔

ضمیمہ نمبر ۵

قرار دادِ مجلسِ شوریٰ جماعتِ اِسلامی پاکستان

اِسلامی جمہوری اتحاد نے جس منشُور پر ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۰ء میں قوم سے مینڈیٹ حاصل کیا تھا اس کا سب سے نمایاں وعدہ ملک میں قرآن و سنّت کی بالا دستی کا قیام اور شریعت کا عملی نفاذ تھا۔ اِس مقصد کے لئے سینٹ میں شریعت بِل پاس کیا گیا تھا اور اِسی مقصد کے لئے وزیرِ اعظم صاحب نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس مورخہ ۱۰ راپریل ۱۹۹۱ء میں اس وعدہ کا اعادہ کیا اور واشگاف الفاظ میں قوم سے عہد کیا کہ شریعت بِل کے ساتھ دستُور میں ترمیم کے ذریعہ قرآن و سنّت کو ملک کا بالا تر قانون قرار دیا جا رہا ہے۔ اِس کے بعد جس شکل میں شریعت بِل کو پارلیمنٹ سے منظور کرایا گیا ہے اور جس بے اتفاقی سے دستوری ترمیم کا بِل اب تک پارلیمنٹ میں پیش نہیں کیا گیا وہ بے حد افسوس ناک ہے۔ مجلسِ شوریٰ جماعت اِسلامی پاکستان اِس امر کا اعلان کرتی ہے کہ وزیرِ اعظم نے دستُوری ترمیم اور قوانین کے جس مجموعے package کا وعدہ کیا تھا' اس پر عمل سے یہ گریز ناقابلِ فہم اور اُس مینڈیٹ کی نفی ہے جس سے ان کو حکمرانی کا حق عوام نے دیا ہے۔

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

جاری کردہ : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

رودادِ اجتماعِ عام

- افتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسہ عام
- اختتامی خطاب

قاضی حسین احمد، امیر جماعت اسلامی

- رپورٹ جماعتِ اسلامی پاکستان، ۸۳-۸۹ء
(قافلۂ حق کی چھ سالہ رودادِ سفر)
- اعلامیہ

دیگر تقاریر

- درس قرآن و حدیث
- انقلابی کردار : ایمان، جہاد اور دعوت
- انقلابی جماعت : رُحَمَاءُ بَیْنَھُم
- پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا کردار
- اسلامی انقلاب میں خواتین کا کردار
- نوجوان — اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ
- ہم اس ملک میں کیا معاشی تبدیلیاں لائیں گے؟
- بین الاقوامی مندوبین

اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

- ٹائٹل، دیدہ زیب
- کتابت، کمپیوٹرائزڈ
- ضخامت، ۲۶۴ صفحات
- قیمت، ۳۰/- روپے
- لائبریری ایڈیشن، ۴۵/- روپے

مُقرّرین

میاں طفیل محمد	مولانا جان محمد عباسی	پروفیسر غفور احمد
چوہدری رحمت الٰہی	پروفیسر خورشید احمد	خرم مراد
نعیم صدیقی	مولانا خلیل احمد حامدی	مولانا گوہر رحمٰن
مولانا فتح محمد	حافظ محمد ادریس	لیاقت بلوچ
سید منور حسن	ایوب ٹھاکر	ڈاکٹر صیام

اِدارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار، لاہور
فون: ۳۲۴۴۶۸-۶۸۶۳۶ : پوسٹ بکس نمبر ۱۴۴۳